

چلو پھروٹ جاتے ہیں

مجموعہ کلام

سید عقیل شاہ

www.urdukorner.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چلو پھر لوٹ جاتے ہیں

مجموعہ کلام

سید عقیل شاہ

ابتدائے سخن

زندگی کیا ہے؟ ایک عجیب سا فلسفہ۔ تمام تر مشاہدات و تجربات کے باوجود انسان خواہ وہ کسی بھی ملک و فکر سے تعلق رکھتا ہو ایک ہی مقام پر کھڑا ہے اور سوچ میں گم ہے کہ زندگی کیا ہے۔ مجھے بھی کبھی کبھی جب افکار زندگی کی تخیلوں سے تھوڑی سی رہائی مل جاتی ہے تو اسی ایک سوال کے تعاقب میں سوچ کے جنگل میں اتر جاتا ہوں رستوں کو بھول کر جتنے ساگر کی لہروں پہ تیر کر باؤب کرنے جانے کہیں سنگلاخ چٹانوں سے گزر جاتا ہوں۔ سمندر کی تیر (افلاطون کی سیماں اٹھا لیتا ہوں جن سے نکالے گئے اصولی باتوں کے عوض مجھے اتنا موقع دیا جاتا ہے کہ میں لکھتے کو محفوظ کر سکوں۔ جن کے عوض مجھے اتنا استحکام بخشا جاتا ہے کہ میں تیز ہواؤں کے پہلو میں اپنے لیے ایک دیپ جلا سکوں جسے دیکھ کر لوگ میری موجودگی کا احساس پائیں یہی میرا رنج سفر ہے۔ اور یہی حاصل جاں وقت گزاری کا سامان بھی اور زندگی کے کٹھن مراحل میں ہر ایسی بھی مگر جوابات کم ہیں اور سوالات زیادہ ہیں۔ مجھے بھی ایک جواب کی تلاش ہے جس کی کھوج میں درگوش ایک اور سوال ہے اور پھر سوالات کا ایک ایسا الجھاؤ ہے کہ جس کے حصار میں گم ہو کر میں پہلے سوال کو بھول جاتا ہوں اور نئے سوال کے جواب میں نکل پڑتا ہوں۔ بحرِ حال مجھے ایک جواب کی تلاش ہے کہ جس کا سوال میں کب کا بھول بھی چکا۔ اب کوئی مجھے دیوانہ کہے یا بے سمت مسافر مگر کچھ تو ہے جس کو اس کے اصلی نام سے کوئی نہ جان سکا بس اُس کے متبادل نام رکھ دیے گئے اب جس کی مرضی جو نام رکھے۔ میں نے خود کلامی میں منعکس ہو کر لوٹنے والی اپنی ہی آواز سے سنا کہ زندگی کم ہے اور سوالات زیادہ ہیں اور جواب ایسے ہے جیسے کہ کاف کے پہاڑوں پہ کھلنے والا ایک گلاب جو کہ سال میں ایک دفعہ کسی چاندنی رات میں پلک جھپکتے ہی کھلے اور اسی لمحے غائب اب میں کیونکر پورا سال کسی ایسے لمحے کی تلاش میں رہوں جو مجھ سے میلوں کے فاصلے سے ہو کر گزر جائے اور مجھے خبر تک نہ ہو کہ کبھی کبھی میں نے اس گلاب کو خواہش کا نام دیا ہے جو کہ دنیا کی ناپائیداریوں میں

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : چلو پھر لوٹ جاتے ہیں

مصنف : سید عقیل شاہ

صنف : شاعری

کمپوزنگ : سید حسن واسطی

اشاعت : 2010ء

قیمت : 200 روپے

ناشر

الخطاط کمپیوٹرز

جوہر کالونی سرگودھا

کہ سوچ کی دسڑس سے ماورا ہیں تو میں بھلا کب تک اُن خیالوں کے تعائب میں چلوں جو کہ اگر رستہ بدل جائیں تو اُن کے پیچھے چلنے والا خود اپنے ہی سائے سے الجھ کر بھٹک جائے۔ اور ماضی بھی تو ایک لفظ کی شکل میں مضمون ہے جس نے کتنے ہی زمانے اپنے اندر محفوظ کر رکھے ہیں لیکن درحقیقت کچھ بھی نہیں دُنیا کی ناپائیداریوں کا زندہ ثبوت۔ ماضی۔

بہر حال میں نے زندگی کے امول کلمات سے الفاظ کے وہ تار و تاب موتی تراشے ہیں جو کہ شبوں کی تاریکیوں میں اگر جگمگائیں تو دن ہو جائے۔ اور دن میں کتنے سورج ان کے سامنے ماند پڑ جائیں میری زندگی کی مسافتوں میں میری شاعری ہی میری ہم سفر ہے اور میری جی دوست بھی۔ یہی تو ہے جو تنہائیوں میں مجھے تنہا نہیں ہونے دیتی اور یہی میری تنہائیوں کو یادگار بنا دیتی ہے یہی میری زندگی کا اثاثہ ہے اور یہی حاصلِ جاں بھی۔ یہ ایسی دولت ہے کہ جس کو تمام دُنیا کی دولت دے کر بھی نہیں خریدا جاسکتا۔ جب تک میں زندہ ہوں اپنے الفاظ و فن کے حصار میں ہوں اور جب میں نہیں ہوں گا تو یہی الفاظ صحرا میں جگمگاتی ریت کو اتنی جرات نہیں دیں گے کہ وہ میرے نام و نشان اور میرے نقوش کو مٹا سکے۔

سید عقیل شاہ

میں بھٹک رہی ہے اور بے جسم و زوج بھٹکنا کیا ہے! نہ ہونا اور نہ ہونے کا احساس کیا ہے! ایک زہر ہے جس کے درد میں اذیتیں یوں فوجی ہیں جیسے جنگی دندے بے یار و مددگار ہرن کو۔ مگر کہانی ختم نہیں ہوتی۔ ہے تو ایک سانس کا بھٹکا اور پھر کرب میں کسی راحت۔ مجھ کو جتنا بھی شعور میرے مالک نے بخشا اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے میں نے زندگی کا ہر اہم معاملہ کیا ہے اور جہاں جہاں سے مجھے حکم الہی کی تکمیل میں گوارا گیا اُس کا میں خود گواہ ہوں اور اپنے مُعدے کا وارث بھی مجھے عدل و انصاف سے مایوسی نہیں بھڑکے۔ عدالت دُنیا نہ ہو۔ اور اگر عدالت لازمی دُنیا ہی ہو تو پھر تو انین خُداوندی جو خُدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عائد کر رکھے ہیں انہی قوانین کا حقیقی وارث بھی موجود ہو جو کہ ابھی پردہ غیبت میں مشیت الہی پر صبر و قناعت کی منازل طے کر رہا ہے خیر حکم الہی کی تکمیل میں مجھے جن جن مقامات سے گوارا گیا خواہ وہ میری مرضی سے تھا یا جبراً۔ بہر حال ہر مقام پر یہی سوچ کر گزر رہی گیا اور خود کو دلاسا بھی دیتا رہا کہ یہی تو دُنیا ہے بے اختیاری اور انجانِ مسافت۔ یہی تو دُنیا ہے جہاں نہ تو میں اپنی مرضی سے آیا اور نہ اس میں اپنی مرضی سے اختیار سے رہا اور نہ ہی یہاں سے مجھے اپنی مرضی سے جانا ہے اب اگرچہ بظاہر ہاؤں میرے اپنے ہیں مگر میری التجا کی نہیں کسی اور کے حکم کے منتظر ہیں میں تو ایسے ہوں جیسے کوئی کسی قافلے کے ساتھ کسی بے مہار واری پہ سوار ہو اور وہ اُس کو جہاں چاہے لے جائے میں تو خود تماشا ہوں اپنا بھی لوگوں کا بھی۔ بالکل ایسے کہ جیسے آنکھیں سفر میں ہوں اور جسم ساکن ہو میں تو بس اپنی تھکن سیٹھ کر اپنی اُس سزا کا مُستحق ہوں جس کو زندگانی دُنیا کا نام دیا جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں بس بے نام و نشان بے زور و لُحوں نے مجھے اپنے حصار میں گھیر رکھا ہے اور اس اسیری سے چاہوں بھی تو رہائی پانا ایسے ہے جیسے دُنیا کی حد و دے نکل جانا۔ اور پھر زیت کیا ہے اسوائے اُن چند سالوں کے جو میں نے بہ ہوش و حواس گواراے اور باقی سب اندھیرا ہے، حال کیا ہے! وہ چند لمحے جو تیز گھوڑوں کے پاؤں کی چاپوں کے سوا اور کچھ نہیں اور مُستقبل کیا ہے! ایک خیال جس کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنا ممکن نہیں اور آئینہ کیا ہے! ایک سراب ایک غبار جو کہ اگر بٹ جائے تو اُن دیکھے مناظر نمودار ہوں جو

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱-	عظیم کیا تو عظیم تر ہے (حمد)	۱۰
۲-	منزلوں سے بھی کہیں آگے سفر ملتے ہیں	۱۲
۳-	ان دیکھے خوابوں کا بیان ہی اک زندگی	۱۳
۴-	وہ ادھر سے زلیست کے لفظ تھے انھیں کیا لکھو گے یہ جان کر	۱۶
۵-	آج کا دن اگر گزر جائے	۱۸
۶-	چلو سوچیں (نظم)	۲۰
۷-	نجوم شہر یار سے نکلا تو رو دیا	۲۳
۸-	تیرے جسم و جاں سے فرض نہیں تیری چاہتوں کی طلب نہیں	۲۵
۹-	سند رہا مسافت کا مگر اک قافلہ تھا	۲۷
۱۰-	روز اک داستان بنی اور تم	۲۹
۱۱-	بھلا تو دے گا (نظم)	۳۱
۱۲-	خزاں کی رت میں بیمار لمے تلاش کرنے کی کیا پڑی ہے	۳۳
۱۳-	جانے کیوں ارتقا رہا باقی ہے	۳۵
۱۴-	بہت بے چین رہتا ہوں جہیں اس کی خبر کیا ہو	۳۷
۱۵-	یہ کس کی آہٹ ہے (نظم)	۳۹
۱۶-	وہ ایک منزل مسافتوں میں جو کھو گئی تھی وہ دھوئے تاروں	۴۱
۱۷-	تیری چاہتوں سے گلہ تو نہیں ہے	۴۳
۱۸-	ہو گئی رات ستاروں سے چلو بات کریں	۴۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۹-	نہ وہ خواب ہیں نہ خیال ہیں کوئی زندگی کی صدا نہیں	۴۷
۲۰-	تمہیں اس شب بہت سوچا (نظم)	۴۹
۲۱-	کبھی تو کچھ کیونکہ بھی	۵۲
۲۲-	میرے دشمنوں کی نہ بات کر مجھے دوستوں کی تلاش ہے	۵۴
۲۳-	تیرے ذہن سے وہم کے پردے اتر گئے تو بات ہوگی	۵۶
۲۴-	نہ وہ خواب تھا نہ خیال تھا کوئی یاد تھی میرا درد تھا	۵۴
۲۵-	اُسے تو بھول جانا تھا (نظم)	۵۸
۲۶-	میرے ذہن میں جو نقش تھا اُسے عمر بھر نہ مٹا سکا	۶۳
۲۷-	آپ تک میں کچن رہا ہوں یا دوں کے حرف حرف	۶۵
۲۸-	نظر مانا نظر بھرا ناؤ و روشہ جان بھی یاد آیا	۶۶
۲۹-	آپ ہی سلسلہ رکھا جائے	۶۷
۳۰-	سنو جاناں (نظم)	۶۹
۳۱-	صدائیں موم گئیں تھک کر (نظم)	۷۱
۳۲-	دشتِ مُہرِ عشق میں یوں بھی بسر نہ ہو	۷۳
۳۳-	بوسیدہ مکانات کے کتبے کیوں رکھوں میں	۷۵
۳۴-	یہ کس طرح سے ممکن تھا اسی کا ہم سفر بننا	۷۷
۳۵-	وقتِ رخصت (نظم)	۷۹
۳۶-	تم سے اتنا ہی صرف کہنا تھا	۸۲
۳۷-	خیالِ ماضی (نظم)	۸۴
۳۸-	سفرِ اچھے تو ہوتے ہیں مگر اک ہم سفر بھی ہو	۸۵
۳۹-	نواں لکھوں کے سلسلے تھے	۸۷

صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۸۹	۴۰	یونہی میر یہ میر سے شہر سے چوڑو رگیا تو اداں ہوں
۹۱	۴۱	میں نے تم سے پھر نہیں منا
۹۳	۴۲	دست (نظم)
۹۵	۴۳	احسانِ زندگی (نظم)
۹۷	۴۵	خطوں میں لکھے ہوئے فرمائی رتوں کا پیام دیں گے
۹۸	۴۶	یہ ستاروں کے درمیاں ہم نے
۱۰۰	۴۷	محببتوں میں عداوتوں کا شمار رکھنا یہ اس نے لکھا
۱۰۱	۴۸	دن کو لکھا تھا شام گھر جاتا
۱۰۳	۴۹	یہ اس کی قسمت (نظم)
۱۰۵	۵۰	محبت مٹ گئی میری (نظم)
۱۰۷	۵۱	تحریریں (نظم)
۱۱۰	۵۲	قیمت (نظم)
۱۱۲	۵۳	ہنسیاب کالج کی بس (نظم)
۱۱۶	۵۴	اُسے گونا گونا گوں محبت عادت بنا رکھی ہے
۱۱۸	۵۵	اُداں سب کے سفر پہ نکلے تو گر درواہی اٹھا کے لائے
۱۱۹	۵۶	گر یہ رشتہ نبھا نہیں سکتے
۱۲۱	۵۷	چھڑے ہوئے لوگوں کا یہ ماتم نہ کیا کر
۱۲۳	۵۹	ہم سفر فرجین بھری شب میں کدھر جائیں گے
۱۲۴	۶۰	بڑی بے سبب ہے یہ زندگی کہیں دن ہوا کہیں شب ڈھلی
۱۲۶	۶۱	مجھے اک بات کہنی ہے (نظم)
۱۲۸	۶۲	خوابِ نگر (نظم)

صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۱۳۱	۶۳	مواہلِ منہج (نظم)
۱۳۳	۶۴	تمہیں جاننا ہی تھا آخر (نظم)
۱۳۶	۶۵	بڑا ہی معتبر ہوں میں (نظم)
۱۳۹	۶۶	اے میرے دل یہ بے بسی کیا ہے
۱۴۱	۶۷	چلو یہ قسمت ہی آزمائیں اسی کو چاہیں جو ٹکٹ ہے
۱۴۳	۶۸	شام ہوتی ہے تو پھر دن پہ نظر رکھتے ہیں
۱۴۴	۸۹	یہاں کس نے پتی ہیں منزلیں کیوں اداں ہے میرے دل بتا
۱۴۶	۷۰	دل کو تہا رہے نام سے وحشت ہی ہو گئی
۱۴۷	۷۱	چپ چاپ تیری راد سے گزر چاؤں تو کیا ہو
۱۴۸	۷۲	ہم تو اپنے آپ میں گم ہیں (نظم)
۱۵۱	۷۳	کس لیے اس کو ہکا رہے دیر یا دینیں
۱۵۲	۷۴	راستے اپنی امان کے بھی مناسب رکھتے
۱۵۳	۷۵	صراطِ گم پہ عدو نے پوچھا میری اذیت کے سلسلے میں
۱۵۶	۷۶	اے میری انجانِ نساقت (نظم)
۱۵۸	۷۷	محبت کون سمجھا ہے (نظم)

عظیم کیا تو عظیم تر ہے

اے میرے مالک
تمہاری عظمت کی وسعتوں میں
تمہاری رحمت کی حد نہیں ہے
زمانے کون و مکاں
کے مل کر

تمہاری وسعت کو پاسکے نہ
خلا کی وسعت میں کتنے سورج
تمہارے آگے بنے ہیں سرمہ
پہاڑ جھک کر
تمہارے آگے کھڑے ہوئے ہیں
تمہاری حمد و ثنا میں گم ہیں
سمندروں پہ تمہاری جہیت سے
کانپتی ہیں ہوا کی لہریں
کہ تیز طوفاں لرزلرز کے
تیرے قہر سے امان چاہیں

یہ بجلیاں آسمان سے گر کر
تیرے غضب کا پیام لائیں
یہ سارے جنگل تجھے پکاریں
پرندے کمزور پر پھیلائے
تمہاری عظمت کو ڈھونڈتے ہیں
اے میرے مالک
میں کیسے نکھوں
تمہاری رحمت کے تذکرے میں
شعور کی منزلوں سے آگے
تمہاری رحمت کی ابتدا ہے



منزلوں سے بھی کہیں آگے سفر ملتے ہیں
بستیوں میں بھی کئی خستہ شہر ملتے ہیں

دریا جب بھی کبھی راہ سے کہیں رُخ بدلے
تو کناروں پہ فقط ریت کے گھر ملتے ہیں

جن پہ بیٹھے ہی نہیں خوف کے مارے پنچھی
بزر چیزوں میں بھی کچھ ایسے شجر ملتے ہیں

کون دیتا ہے میرے نام کی دستک رُک کر
ان فقیروں کو یہاں اور بھی در ملتے ہیں

تم تو نکلے ہو یہاں شوقِ سفر کی خاطر
راستوں میں تو بڑے گہرے بجنور ملتے ہیں

حادثہ ایک ہی گُورا ہے کسی رُت پہلے
مجھ کو اب تک وہ غمِ جاں کے اثر ملتے ہیں

یہ روایت ہے یہاں شہرِ وفا کی لوگو
خون دیتے ہیں تو چیزوں سے شہر ملتے ہیں

ہو گئے لوگ میرے شہر کے مر کر موتی
آج بھی دیکھو عقیل اُن کے ہنر ملتے ہیں

☆

اُن دیکھے خوابوں کا بیان سی اک زندگی
 تنہائی خاموشی ویران سی اک زندگی

بکھرے ہوئے خوابوں کا اک شہر پُرانا سا
 ہر موڑ پہ تنہائی پریشان سی اک زندگی

ہر وقت کوئی اک ڈر ہر وقت کوئی الجھن
 ہر سمت کئی رستے انجان سی اک زندگی

اُڑتے ہوئے پتوں میں مٹتے ہوئے لفظوں میں
 سُوکھے ہوئے ہونٹوں میں بے جان سی اک زندگی

چلتی ہوئی سڑکوں پر زندگی کی ضرورت میں
 اک شور سا ہر جانب طوفان سی اک زندگی

ماضی کے حسابوں میں کسی شام کو تھک کر پھر
 اک یاد کا حاصل کچھ نقصان سی اک زندگی

گزرے ہوئے لمحوں کا ماتم سا کوئی دل میں
 صبح و شام کسی غم کا عنوان سی اک زندگی



وہ اوتھوے زیست کے لفظ تھے انھیں کیا لکھو گے یہ جان کر
بڑی مختصر سی ہے داستاں! سے کیا سنو گے یہ جان کر

کچھ خواب تھے میرے ہم سفر کچھ خواہشوں کا ملال تھا
میرے دل میں کس کا خیال تھا اب کیا کرو گے یہ جان کر

وہ گلاب تیری یاد کے ان ہی راستوں میں بکھر گئے
سرِ عکس مجھ کو خزاں میں پھریوں ہی کب ملو گے یہ جان کر

اک تیرے فراق کا زہر ہی میرے دل سے رُوح میں اتر گیا
میں ٹوٹ کر ہوں بکھر گیا مجھے کیا چنو گے یہ جان کر

تھی خاموشیوں کی وہ داستاں جسے کہہ کے لب بھی ہلے نہیں
جسے تم نے سُن کے سنا نہیں پھر کیا کہو گے یہ جان کر

تیری مُسکراہٹ عزیز تھی کبھی کچھ بھی تم سے کہا نہیں
میرا کس طرح کا نصیب ہے تم رو پڑو گے یہ جان کر

عقیل طویل تر ہیں مُسافرتیں شب و روز ان کے خیال میں
مجھے منزلوں کی خبر نہیں تم کیا چلو گے یہ جان کر

☆

آج کا دن اگر غرور جائے
زندگی شاید کہ پھر سنور جائے
چلو لمحے گزار دیں ہنس کر
یہ نہ ہو سال ہی ٹھہر جائے
خواب جاگیر ہو نہیں سکتے
کوئی ان کو سنبھالے مر جائے
یہ دُعا ہے کوئی میری طرح
اس نئے سال نہ بکھر جائے

رات گھر میں کریں گے جا کے بسر
سر سے سورج اگر اُتر جائے
جس چہ ویرانیاں برستی ہیں
راستہ شاید ترے شہر جائے
جس کو شب میں نہ مل سکی راحت
اب وہ سورج بھلا کدھر جائے

چلو سوچیں

چلو سوچیں وہی لمے
جو اُب کے خواب لگتے ہیں
وہ موسم جو پرانے ہیں
اُنہیں پھر ڈھونڈنے نکلیں
چلو دیکھیں
وہی لگیاں
جہاں کچھ لوگ رہتے تھے
کہاں ہیں اُب
چلو سوچیں
چلو سوچیں وہ ہراتی ہوئی
صبح و شام کی خوشیاں
جہاں کسی مُسکراہٹ سے
جیسے کہ دن نکلتا تھا
کسی آواز کے بدل
ہوائیں سرسراتی تھیں

جہاں کسی زلف کے سائے
شائیں کُنکناقی تھیں
مگر وہ دن کہاں ہیں اُب
کہاں شائیں گئیں آخر
چلو سوچیں
وہی زندگی
جسے تنہائی کی وحشت سے
ترپنا تھا سسکنا تھا
مگر مجبوریاں بھی تھیں
اُسے تنہا گورنا تھا
وہی زندگی جسے امید کی اک
لو میں جلنا تھا
وہ ہی زندگی جسے میں نے صدا
عذاب سمجھا تھا
کہاں پہ کٹ گئی آخر چلو سوچیں
چلو سوچیں

کہاں بیٹے ہوئے وہ پل
 ابھی بھی رقص کرتے ہیں
 کہاں یادوں کے سائے ہیں
 کہاں موسم بدلنے ہیں
 چلو مانگیں
 وہی گھڑیاں
 جو پھر آہی نہیں سکتیں
 چلو اُس جا چلیں
 جس جا
 ابھی بھی دل تڑپتا ہے
 جہاں کسی سائے کی مانند
 کوئی میرے ساتھ چلتا ہے
 مگر وہ کون ہے آخر
 چلو سوچیں



ہجومِ ہمبر یار سے نکلا تو رو دیا
 خود سے کسی مقام پہ اُلجھا تو رو دیا
 وہ عکسِ شوقِ دید تھا یا آنکھوں کا اک خمار
 رستہ کسی خیال میں بدلا تو رو دیا
 یہ ضبطِ اک طویل ارادوں کی ڈھال تھا
 اُس نے ذرا سی دیر ہی دیکھا تو رو دیا
 پھر سسکیاں صدائیں وحشتِ فراقِ یار
 رستوں نے کوئی حادثہ پوچھا تو رو دیا

اک لفظ لا شعور میں ہاتھوں پہ لکھ کے یوں
وسعت میں اُس کے باب کو سمجھا تو رو دیا

عشقی رات بھر یہاں طوفاں تھے محو سفر
آنکھوں سے اک فرات جب پھیلا تو رو دیا



تیرے جسم و جاں سے غرض نہیں تیری چاہتوں کی طلب نہیں
وہ جو تیرے دل میں رہیں صدا انہی آہٹوں کی طلب نہیں

میں سمجھ سکا نہ حصارِ عشق جانے کس طرح کا ہے ربط یہ
مجھے تم سے چاہیں اذیتیں مجھے راحتوں کی طلب نہیں

اے مرابِ خوابِ عذابِ جاں مجھے دُور سے تو صدا نہ دے
ابھی منزلوں سے گریز ہے ابھی راستوں کی طلب نہیں

یہ سکوتِ شب کی اذیتیں یہ وصال و ہجر کی ساعتیں
مجھے دُشِ کرب کی دُھوپ دے مجھے ہارِ شوں کی طلب نہیں

یہ مقامِ سوگ و فنا بھی ہے کہ ہے یاسِ راہِ حیات میں
مجھے دشمنوں کی ہے آرزو مجھے دوستوں کی طلب نہیں

وہ جو حرفِ راہِ نجات تھا وہی وحشتوں کا سبب بنا
مجھے ایک لمحے کی فکر ہے مجھے مَدّتوں کی طلب نہیں

وہ عقیلِ شام کی سُرخیاں وہ مہ و نجوم کے فیصلے
کہ وہ سرنگوں سے ایامِ غم یہاں اُلفتوں کی طلب نہیں



سمندر تھا مسافت کا مگر اک قافلہ تھا
رہا پھر عمر بھر یادوں کا جیسے سلسلہ تھا

دُھواں تھا شور تھا اور خواب بھی چلتے رہے شب بھر
فقط ہم نے ہی دیکھا ہے ابھی تک حادثہ تھا

ہزاروں چاند آنکھوں میں اُتر کر ہو گئے مٹی
بلاتا ہی رہا شب بھر مجھے اک راستہ تھا

سزا جھیلی تو ہے اس نے ہمیں یوں بانٹ رکھنے کی
ہمارے درمیاں آکر رہا یہ فاصلہ تھا

یہ رستے آس کے رستے وہ دولت یاد کی دولت
کسی کو عمر بھر چاہنے کا آب کے یہ صلہ تھا

مسافت در مسافت اور یہاں دشتِ بیاباں میں
بھلا کب تک چلے ایسے میرا یہ حوصلہ تھا

☆

روز اک داستاں نئی اور تم
دشمنوں سے وہ دوستی اور تم

آب ہے صدیوں سے ہم سفر میری
یہ خیالوں کی چاندنی اور تم

شام باقی ہے چند لمحوں کی
بس ذرا سی ہے زندگی اور تم

منزلوں کے فریب اور اک میں
راستوں سے وہ آگہی اور تم

کھو گئے ریگزارِ دُنیا میں
وقت رفتہ وہ اُن کہی اور تم

کون جانے یہ سلسلہ کیا ہے
میں کہ خود سے بھی اجنبی اور تم

ہاں وہی ہیں تو حاصلِ جاں ہیں
جھ سے پہلی سی دل لگی اور تم

بھلا تو دے گا

بھلا تو دے گا

مگر ابھی کچھ

گزشیہ لہجوں کا ذکر لے کر

خزاں کی رُت میں

آوارہ پتوں کے سنگ چلے گا

ہوا کی لہروں

پہچنے چکے

عذابِ جاں کے ستم لکھے گا

ابھی تو وہ بھی

اسیرِ غم ہے

اُسی مسافت پہ گام زن ہے

ابھی تو کچھ دن

میری طرح وہ

شکستہ خوابوں کی کرچیوں کو

وہ نرم ہاتھوں کی انگلیوں کے

ہاں زخمی پوروں سے جب پئے گا
تو کیا کرے گا
گماں کے رستوں پہ آتے جاتے
کسی تجسس میں جب رُکے گا
میرا یقین ہے
کہ رو پڑے گا
مگر کہاں تک
نئے دنوں کو گئے دنوں پہ
وہ ٹال رکھے
گزشیلچوں کی تلیوں کو
بھلا کہاں تک سنبھال رکھے
ابھی تو کچھ دن
گئی رُتوں کا بھر مر کھے گا
سہم سہم کر قدم رکھے گا
بھلا تو دے گا
مگر ابھی کچھ

☆

خزاں کی رُت میں بہار لمحے تلاش کرنے کی کیا پڑی ہے
جو آب کے موسم ٹھہر گیا ہے اُسے بدلنے کی کیا پڑی ہے
ابھی تو شامِ عذابِ جاں کی بڑی ہی پُر سوز ابتدا ہے
ابھی ہے شپِ فراقِ باقی ابھی سے جلنے کی کیا پڑی ہے
شہر کی رونق تو چھن گئی ہے اُداس گلیاں ویران راستے
بسر کرو دن یہ اپنے گھر میں کہیں نکلنے کی کیا پڑی ہے
گزر ہی جائیں گے سُرخ لمحے تلاش جن کو نہ کر گے
میں تیرے لہجے سے بدگماں ہوں تجھے پچھڑنے کی کیا پڑی ہے

گلے ملیں گی تمام تر وہ اذیتیں راستوں میں آکر
نٹھرنی جاؤ اداس رُت میں کسی سے ملنے کی کیا پڑی ہے

بڑی ہی سادہ سی ولفریب اک سفید لہجوں کی داستاں ہے
نجانے سادہ سے کاغذوں پر یوں رنگ بھرنے کی کیا پڑی ہے

امیدیں دھت ویراں میں کچھ پل اگر رہیں گی تو کیا بُرا ہے
عقیق پوچھو تو بادلوں سے انہیں گورنے کی کیا پڑی ہے

☆

جانے کیوں انتظار باقی ہے
اب بھی رستوں سے پیار باقی ہے

جو گزارے ہیں اک اذیت میں
اُن دنوں کا شمار باقی ہے

میں نہیں ہوں ناکام حسرت کا
اک شکستہ مزار باقی ہے

رات کے پُر سکون لہجوں میں
چاند اک غمگسار باقی ہے

قافلہ جو یہاں سے گزرا ہے
بس کوئی رنگزار باقی ہے

عکس دُھندلا گئے کہانی کے
دل میں گرد و غبار باقی ہے

ذرد رُت میں بھی اب کسی صورت
کوئی رسم بہار باقی ہے



بہت بے چین رہتا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو
ہزاروں درد سہتا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

تم جب کسی نیند کی دہلیز میں خوابوں میں کھو جاؤ
تری گلیوں میں چلتا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

شہر کی رفقیں مجھ سے خفا سی ہو گئیں اور میں
بھرے شہر میں تنہا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

تجھے کھونا تجھے پانا تجھے پا کر بھی کھو جانا
میں کس اُلجھن میں رہتا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

فضائے شہر میں تو ہے میں جنگل میں درختوں پر
تیرا ہی نام لکھتا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

ذرا سی دیر میں رگر ہی ریزہ ہو گیا جیسے
میں کس طرح سے بکھرا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

سبھی کچھ کھو گیا مجھ سے فریب زندگانی میں
میں اب لوگوں سے ڈرتا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

تو بادل ہے تو بارش ہے تو خوشبو ہے تو موسم ہے
میں اک ویران صحرا ہوں تمہیں اس کی خبر کیا ہو

یہ کس کی آہٹ ہے

یہ کالے ہیرا ہن میں
کون رقصاں ہے میرے گھر میں
شکوہ شب میں
دیواروں سے
کیسا شور ہے برپا
لباس چاندنی میں کون اُترتا ہے
میرے گھر میں
یہ کس کے پاؤں کے آہٹ
یہاں پہ اس کے ہونے کا مجھے
احساس دیتی ہے
کوئی شے ہے دبے لہجے میں
اک آواز دیتی ہے
مگر کچھ بھی نہیں کہتی
وہ تنہا تو نہیں

پس سایہ یہاں اک قافلہ بھی ہے

جہاں لئے
صلیبِ زیست پہ لٹکے
کوئی فریاد کرتے ہیں
یہ کس کو یاد کرتے ہیں
چلو چھوڑو
وہی ہوگی
میرے گھر کے در و دیوار میں
جس کا بیرا ہے
میری تنہائی ہے شاید



وہ ایک منزلِ مسافتوں میں جو کھو گئی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں
گئے زمانے میں چاہتوں کی جو بے بسی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں
ترس گئی ہیں یہ میری آنکھیں نبھانے کب یہ وصال ہو گا
تمہاری خواہش کے اُن دنوں میں جو زندگی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں
میں کھوجتا ہوں وہ نقشِ سارے جو آبِ کے موسم کھو گئے ہیں
وہ اک اذھوری سی داستاں جو کہیں لکھی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں
زمانے بھر کی آسائشیں بھی میرے مقدر میں رائیگاں ہیں
تمام زندگی کی نعمتوں میں جو اک کی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں

یہاں تو ٹھہرا ہے ذرد موسم خزاں رسیدہ سے رہ گئے ہم
تمہارے سنگ مسافتوں جو اک خوشی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں

میری کتابوں زرد رُت کے گلاب سوکھے رکھے ہوئے ہیں
بہار رُت کی انہی گلوں جو اک تازگی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں

میں تھک گیا ہوں یوں چلتے چلتے دوران رستوں پہ سفر کرتے
اسی شہر میں تمہارے گھر کی جو اک گلی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں

عقیل چاہت پُرانی ہو کر عذاب زندگی ہی بن گئی ہے
وہ پہلی پہلی یوں تم سے میری جو دل لگی تھی وہ ڈھونڈتا ہوں



تیری چاہتوں سے جگہ تو نہیں ہے
جو ہونا تھا آخر ہوا تو نہیں ہے

عجب سا ہے احساسِ دل میں وفا کا
جسے میں نے چاہا ملا تو نہیں ہے

ہے ہر سمت یادوں کا اک شور برپا
وہ موسم ابھی تک گیا تو نہیں ہے

لوگ ان دُوریوں کا سبب پوچھتے ہیں
کسی سے کبھی کچھ کہا تو نہیں ہے

تُو چاہت کے رستوں سے کیوں بد گُماں ہے
تُو اِن راستوں پر چلا تو نہیں ہے

ابھی تک ہے اُس کی فضاؤں میں خوشبو
وہ ٹھہرا نہیں وہ رُکا تو نہیں ہے

بیاں کر رہی ہیں یہ آنکھیں سبھی کچھ
پُھپایا جو تم نے پُھپا تو نہیں ہے

چلو سوچتے ہیں نئے سلسلوں کو
اُمیدوں کا سُورج ڈھلا تو نہیں ہے



ہو گئی رات ستاروں سے چلو بات کریں
عُمر ویراں کی دیواروں سے چلو بات کریں

وہ کسی چھت پر خاموش کھڑا ہے کب سے
رہ کے پُپ چاپ اشاروں سے چلو بات کریں

دُشِ شام سے گھبرا کر جو اُڑے جاتے ہیں
اُن ہی بگلوں کی قطاروں سے چلو بات کریں

چل کہ بہتے ہوئے پانی کا نظارہ دیکھیں
گرتے دریا کے کناروں سے چلو بات کریں

اِس طرح کیسے کئے گی شبِ مُرقت سوچو
اُس کی گلیوں سے بازاروں سے چلو بات کریں

بھر وہی یاد سناٹے وہی جگنو رستے
اِن ہی بے رحم سہاروں سے چلو بات کریں

کس کو معلوم یہاں درد کے معنی ہیں عقیل
دھبِ ویراں سے پہاڑوں سے چلو بات کریں



نہ وہ خواب ہیں نہ خیال ہیں کوئی زندگی کی صدا نہیں
کیا سناؤں تم کو میں داستاں میرے پاس کچھ بھی رہا نہیں

کبھی راستوں سے نا آشنا میں چلا تھا قربتیں ڈھونڈنے
مجھے منزلوں نے سکھا دیا کچھ فاصلوں کے سوا نہیں

کئی رنگ تھے جو بکھر گئے کچھ لوگ تھے جو گزر گئے
وہ دریا سارے اُتر گئے اب اُن رُتوں کی فضا نہیں

میرے لب پہ حرفِ گلہ نہیں یہ نصیبِ جاں کے ہیں سلسلے
مجھے جو ملا میری بے بسی میری زندگی میں وفا نہیں

وہ جو تیرے میرے تھا درمیاں اک خواب تھا کہ سراب تھا
جو سنا وہ تم نے کہا نہیں جو کہا وہ تم سنا نہیں

میری زندگی کی کتاب میں بڑی حسرتوں کے ہیں تذکرے
میرا ہم سفر جو خیال تھا سرورق اُس کو لکھا نہیں

عقیل کیا کہوں کہ وہ کون تھا کوئی ساتھ تھا میرے پاس تھا
مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا وہ کہاں گیا یہ پتا نہیں

تمہیں اُس شب بہت سوچا

تمہیں اُس شب

بہت سوچا

کہ جب بادل بھی چھائے تھے

بڑی ہی تیز بارش تھی

ہو بارش کے قطروں سے

بڑی انگلیاں کر کے

میرے کمرے کی کھڑی سے

نکرا کر

بڑا ہی شور کرتی تھی

چمکتی بجلیاں بھی تو

اُسی کھڑکی کے رستے سے

ذرا سی دیر

رُک رُک کر

مجھے ہی جھانکتیں تھیں بس

ہوا کے تیز جھونکے بھی
 چپکے سے
 دبے پاؤں ہی آتے تھے
 میری ٹیبل پہ رکھے
 کانڈوں کو بھی اڑاتے تھے
 اُن ہی کانڈوں پہ لکھی کچھ
 تیری نظمیں
 بھی تھیں شاید
 جنہیں خون جگر سے لکھ کر
 ابھی ٹیبل پہ رکھا تھا
 ہوا سے اُڑ گئے ایسے
 وہ سارے لفظ بھی جیسے
 ساحل کی ریت پہ
 لکھ کر
 لکھا جیسے نہیں ہوتا
 کوئی زندگی میں مل کر بھی
 ملا جیسے نہیں ہو

محبت خواب تھی سوچا
 کوئی سراب تھی سوچا
 گئے بادل
 گئی بارش
 ہوا بھی تھم گئی لیکن
 تمہیں اُس شب بہت سوچا

☆

بکھی تو کچھ کہو تم بھی
کہا ہے جو سنو تم بھی

سر راہ جب ملو مجھ سے
بکھی کچھ پل رکو تم بھی

گرا ڈالو فضیلیں کچھ
مجھے اک شام ملو تم بھی

میں تنہا تھک گیا ہوں اب
میرے سنگ سنگ چلو تم بھی

میری زندگی کے کانڈ پر
نئے کچھ غم لکھو تم بھی

صدائے برہم سے رہتے ہو
بکھی کچھ پل ہنسو تم بھی

ادھورا شہر ہے جیسے
یہاں پہ آ بسو تم بھی

مجھے تم سے محبت ہے
کہ لا پرواہ سے ہو تم بھی



میرے دشمنوں کی نہ بات کر مجھے دوستوں کی تلاش ہے
وہ جو راستے ہیں وفاؤں کے اُن ہی راستوں کی تلاش ہے

مجھے نفرتوں کے عذاب سے کوئی ہو جو آ کے بچا سکے
جو دل سے رُوح میں سما سکیں اُن ہی چاہتوں کی تلاش ہے

میں نے کب کہا ہے کہ اب مجھے وہی لوگ پھر سے ملیں کہیں
پس آرزو جو گزر گئیں اُن ہی ساعتوں کی تلاش ہے

جو ملوں تو مجھ سے جدا نہ ہو جو ٹکڑ چلوں تو ہوں منتظر
مجھے چاہتوں میں یوں ہر گھڑی اِن ہی شدتوں کی تلاش ہے

میں بھٹک رہا ہوں خواہشوں کے سراب میں یونہی جا بجا
جو میرے گناہوں کو دھو سکیں اُن ہی واسطوں کی تلاش ہے

بھلا کون ہو میرا ہمسفر میرے ساتھ کوئی چلے تو کیا
مجھے راستوں میں ذرا ذرا سے یوں آسروں کی تلاش ہے

تمہارے دل کے نگر میں مانا ہزار موسم بدل رہے ہیں
جہاں یہ موسم عذاب بن کر ٹھہر گئے تو بات ہو گی

عقیل چاہت کے ذرہ موسم صبلے وفاؤں کے نام تیرے
گزشتہ سارے عذاب قصے جو کر گئے تو بات ہو گی

☆

تیرے ذہن سے وہم کے پردے اُتر گئے تو بات ہو گی
میری طرح سے وہ خواب تیرے بکھر گئے تو بات ہو گی

سراب منزل کی جستجو میں کسی کی ناکام آرزو میں
یہ زندگی کے حسین لمحے گزر گئے تو بات ہو گی

ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے کسی کے سائے میں گامزن ہو
کزکتی دھوپوں میں جب یہ سائے پکھڑ گئے تو بات ہو گی

تنہائیوں میں خزاں دل کی کبھی برستی جو بارشوں سے
وہ زخم سارے گلاب صورت نکھر گئے تو بات ہو گی



نہ وہ خواب تھا نہ خیال تھا کوئی یاد تھی میرا درد تھا
یہ سچے کیسے بکھر گئے کیا ہوا چلی میرا درد تھا

دے کر صدائیں پلٹ گئیں وہ تمام دن کی روئیں
جو شام دل میں ٹھہر گیا میری بے بسی میرا درد تھا

شب بھر بلاتا رہا مجھے کوئی چاند تھا یا ستارا اک
بڑی دیر تک رہی ہم سفر کوئی چاندنی میرا درد تھا

تجھے کیا بتاؤ اے بدگماں تیرے گفتگو کے حصار میں
اک بات تھی میرے ذہن سے جو اتر گئی میرا درد تھا

جسے تم نے سن کے سنا نہیں جسے کہہ بھی نہ میں کہہ سکا
جو لب پہ آ کے ٹھہر گئی وہ ہی آن کہی میرا درد تھا

مجھے اُن رتوں کی تلاش ہے جو سے کے ساتھ گزر گئی
جو تیرے خطوں میں پڑی رہی وہی شاعری میرا درد تھا

اُسے تو بھول جانا تھا

یہی تو سوچ رکھا تھا

جیون ایسے بتانا تھا

جیسے ہر سانس

کے بدلے

کوئی قرضہ چکانا تھا

کوئی وعدہ نبھانا تھا

گزشتہ موسموں کے سب لکھے ہوئے

ادھورے لفظ

جنہیں کوئی نہ پڑھ پائے

سمجھ پائے

نہ سن پائے

انہیں آخر مٹانا تھا

اُسے تو بھول جانا تھا

اُسے پھر یاد کیوں رکھا

وقت کی ڈائری سے جب

گزشتہ سارے لمحوں کو

بیٹے سارے زمانوں کو

جو آب کے خواب لگتے ہیں

کوئی سراب لگتے ہیں

عذابِ زیست کا وہ جو

کوئی نصاب

لگتے ہیں

یہی تو سوچ رکھا تھا

یہی تو ٹھان رکھا تھا

وہ کاغذ

پھاڑ کر سارے

انہیں بھی تو جلانا تھا

اُسے تو بھول جانا تھا

اُسے پھر

یاد کیوں رکھا

ازل سے میں اکیلا تھا

ازل سے ایسے تنہا تھا

کسی کی آنکھ کا شاید

وہ تارا تھا

وہ سپنا تھا

نہ کوئی اُس سے تعلق تھا

نہ کوئی رشتہ پرانا تھا

کوئی آغاز بھی ہوتا

یہی انجام پانا تھا

اگر وہ مل بھی جاتا پھر

اُسے یونہی گنونا تھا

اُسے تو بھول جانا تھا

اُسے پھر

یاد کیوں رکھا

ہزاروں فاصلے تھے اور

کوئی عہد و فائدہ تھا

کسی بھی ربط کا اُس سے

کوئی بھی

سلسلہ نہ تھا

کبھی وہ رُوٹھ بھی جاتا

اُسے کیونکر مٹانا تھا

اُسے جاتے ہوئے بھی تو

کوئی آواز دینی تھی

نہ پھر واپس بلانا تھا

اُسے تو بھول جانا تھا

اُسے پھر

یاد کیوں رکھا



میرے ذہن میں جو نقش تھا اُسے عمر بھر نہ مٹا سکا
نہ نصیب تھیں مجھے چاہتیں نہ کسی کے دل میں مٹا سکا

یہ ازل سے میرا نصیب تھا! انہی گردشوں کے طواف میں
جو ملا اُسے بھی گنوا دیا نہ کسی کو پھر میں بھلا سکا

اک بار دل سے گیا تو پھر وہی اعتماد نہ رہا کبھی
نہ مٹ سکے کبھی فاصلے نہ ہی پاس چل کے وہ آ سکا

یہ شہر کتنا عجیب ہے کسی بھیڑ میں کسی موڑ پر
اک ہی نگر کے ہیں راستے کوئی راستہ نہ ملا سکا

نہ ملیں کبھی اُسے فرحتیں نہ خیال تھا نہ قیاس تھا
نہ کسی کو میری خبر ہوئی نہ کسی کو کچھ میں بتا سکا

بڑے ساتھ تھے میرے ہم سفر کسی ہم سفر پہ گلہ نہیں
مجھے جس کی تھی بڑی آرزو وہی دوستی نہ نبھا سکا



اب تک میں چن رہا ہوں یادوں کے حرف حرف
کانوں میں گونجتے ہیں باتوں کے حرف حرف

وہ دھوپ ڈھل کے اب کوئی شام ہو گئی
تیرے نام لکھ دیے سناٹوں کے حرف حرف

ہیں یاد ابھی تک وقتِ مہدائی میں
اُن بے قرار سی آنکھوں کے حرف حرف

لکھے ہوئے ہیں آج بھی کافد کی اک طرف
تیرے سفید سے اُن ہی ہاتھوں کے حرف حرف

پتھر بنا گئے ہیں اک عمر سے مجھے
وہ دل نشیں تمہارے ہونٹوں کے حرف حرف

وحشت ہے فراقِ مسافت کہ پھر وہی
تمہائی اور اُداسی رستوں کے حرف حرف



نظر ملانا نظر چرانا وہ روٹھ جانا بھی یاد آیا
سہم سہم کر تمہارا چھت سے مجھے بلانا بھی یاد آیا

کبھی جو ملنا تو ایسے ملنا کہ بات کرنا تو روتے رہنا
عجیب لہجے میں تیرا مجھ کو وہ غم سنانا بھی یاد آیا

ہے یاد مجھ کو وقتِ رخصت میرے چہرے سے آخری شب
وہ جاتے جاتے ہوئے یوں تیرا نظر ہٹانا بھی یاد آیا

پھر آج اٹھا میں دن گئے تو خیال آیا ہے اُن دنوں کا
وہ گھر میں تیرا صبح سویرے مجھے جگانا بھی یاد آیا

کوئی نہ آیا جو عید ملنے تو سونے گھر کی ادا سیوں میں
وہ چاند راتوں کو تیرا آ کر مجھے منانا بھی یاد آیا

عجیب طرح کے فاصلے کچھ یوں پاس رہ کے بھی دوریاں سی
وہ پہلے پہلے جو تیرا ملنا تو کچھ چھپانا بھی یاد آیا



اَب یہی سلسلہ رکھا جائے
خود کو اُس سے جدا رکھا جائے

منزلیں خود تلاش کرتیں ہیں
بس ذرا حوصلہ رکھا جائے

سانس جس کے سبب چلتی ہے
اُس کو کیسے خفا رکھا جائے

یہ ضروری ہے دوستی کے لئے
تم سے کچھ فاصلہ رکھا جائے

کچھ تو ہو یادگار ماضی بھی
دل میں اک تافلہ رکھا جائے

یہ محبت یہ آرزو یہ اُمید
کچھ تو اِس کے سوا رکھا جائے

کیا ضروری ہے درمیاں ساگر
لازمی نا خدا رکھا جائے

رابطہ باہم نہیں مگر پھر بھی
سوچتا ہوں کہ کیا رکھا جائے

سنو جاناں

سنو جاناں

ابھی ہم ساتھ ہیں لیکن
کبھی ہم کو بچھڑنا ہے
بچھڑنا ہے تو ایسے کہ

بھرے اِس شہر کے اندر
نہ میں نے

تم سے ملنا ہے

نہ تم نے

مجھ سے ملنا ہے

یہ جگہ جس جگہ ہم ہیں

یہاں پھر

ہم نہیں ہوں گے

کئی موسم نئے ہوں گے

کئی قصے نئے ہوں گے

ہاں

دوہرائے گایہ وقت
 پُرانی اُن کہی باتیں
 وجہ تم نہیں ہوں گے
 وجہ ہم نہیں ہوں گے
 ہمیں سے دُوسرے ہوں گے
 کوئی اِس جا کھڑا ہوگا
 کوئی اُس جا کھڑا ہوگا
 مگر وہ لفظ
 یہی ہوں گے
 سنو جاناں
 ابھی ہم ساتھ ہیں لیکن
 کبھی ہم کو بچھڑنا ہے

صدائیں سو گئیں تھک کر

شہر خاموش ہے جیسے
 صدائیں سو گئیں تھک کر
 مسافر
 چائے سارے
 درختے اپنی آنکھیں بند کیے
 اُب سو گئے ہوں گے
 گھروں سے جھانکے والے
 بھی پتھر ہو گئے ہوں گے
 کہیں خاموش
 بیڑوں پر
 پرندے پھڑ پھڑائیں تو
 صدا اُن کی نہیں آتی
 یہاں بیڑوں کے پتوں تک
 ہوا اُب کے نہیں آتی
 دیواریں اتنی اُوچی ہیں

یہاں کے

رہنے والوں کی

کہیں سے دن گزر جائے

کوئی گھٹ گھٹ کے مر جائے

کوئی بھوکا

مسافر بھی

کسی جا پر ٹھہر جائے

خبر کچھ بھی نہیں ہوتی

خبر گر

ہو بھی جائے تو

اثر کچھ بھی نہیں ہوتا

یہ سنگ و آہن کی ہستی

یہاں کے قید خانوں میں

کوئی مانگے تو کیا مانگے

کوئی چاہے تو کیا چاہے

شہر خاموش ہے جیسے

صدائیں سو گئیں تھک کر

☆

دھت اسید عشق میں یوں بھی بسر نہ ہو

منزل ہو جس کے واسطے اُس کو خبر نہ ہو

کیسا لگے تجھے بتا طائر تھکن کے بعد

میں بھی گروں کہ شاخ پہ تیرا بھی گھر نہ ہو

چل آ کہ دونوں مانگ لیں حرفِ دعا ہی کچھ

ممکن ہے کل دعا تو ہو اُس میں اثر نہ ہو

وقتِ جدائی اُبھنیں لوگوں میں بے رُخی

میرے خُدا یا اِس قدر کوئی معتبر نہ ہو

پھر دل گر گئی مجھے لے آئی ورنہ ضبط

سوچا تھا اُس کے شہر سے اب کے گزر نہ ہو

اس شرط پہ عطا کرو مجھ کو حیاتِ نو
مُنھ ہی میں ہو یہ منزلیں کوئی سفر نہ ہو

عقیل اُترا بھی وثوق سے بازی بھی راہِ عشق
جیتے گا پر ہے شرط میری با ہنر نہ ہو



بوسیدہ مکانات کے کتبے کیوں رکھوں میں
غربت کا تقاضا ہے کہ اب چپ ہی رہوں میں

مدت سے اسی کربِ مسلسل میں کھڑا ہوں
آخر اے غمِ ہجر تجھے کیسے لکھوں میں

لکھی ہے میرے نامِ صعوبت یہ سرِ راہ
ہر روز کسی ایک اذیت سے ملوں میں

یہ سفر بھی نکلا میرے حصے کی اذیت
منزل سے بھی اب اور کہاں آگے چلوں میں

آنکھوں سے ابھی گرد کے ڈورے نہیں اُترے
اے حکمِ سفر پھر سے تجھے کیسے پڑھوں میں

یہ بعد کی اُلجھن ہے کہاں جاؤں گا بہہ کر
آبِ خود کو سمندر کے حوالے تو کروں میں

عقیل بدل جاؤں گا رستہ اُسے پا کر
کیوں راہ میں کسی شخص کی دیوار بنوں میں



یہ کس طرح سے ممکن تھا اُسی کا ہم سفر بننا
بھلا ساگر کی لہروں پہ کہاں شیشے کا گھر بننا

جہاں پہرہ رہا اکثر خزاں رُت کے آسیبوں کا
بھلا اُس سر زمیں پہ کیا کوئی پورا شجر بننا

کوئی تو با ہنر ہوتا اُسی شہکار کی مانند
کسی نگری میں لفظوں کا کوئی تو جاؤ گر بننا

تصور تو کرو جاناں وہ رنگیں تتلیاں اور تم
وفا کا وہ کسی جانب حسین جو اک شہر بننا

محبت مٹ نہیں سکتی چلو یہ مان لیتا ہوں
مگر گر کے مکانِ دل ذرا سوچو کدھر بننا

جسے تم نے نہیں سمجھا کبھی اک دید کے قابل
زمانے بھر کے لوگوں میں وہ کتنا معتبر بنتا

عقیل اس دھڑ ویراں سے کوئی تو قافلہ چلتا
کسی کی منزلوں کا میں کبھی تو راہ گزر بنتا

وقتِ رخصت

میں کیسے لکھوں

جو وقتِ رخصت

کسی کی آنکھوں سے پڑھ لیا تھا

کسی نے رک کر

اُداس لہجے میں

جو پیام اک مجھے دیا تھا

میں لکھ تو لوں پر

میں کیسے لکھوں

وہ لفظ سارے کہاں سے لاؤں

جو وقتِ رخصت

وہ لے گیا ہے

مجھے وہ اتنا ہی کہہ گیا ہے

تو لکھ تو لے گا

مگر نہ لکھتا

اُداسیوں کے یہ سارے موسم

اگر لکھو گے تو یا درکھنا
 کہ لکھتے لکھتے
 تمہارے ہاتھوں کی انگلیوں سے
 یہ سارا خوں جب نچڑ گیا تو
 مجھے بتاؤ
 کہ زخمی پوروں
 سے کیا لکھو گے
 کہ صدیوں لکھتے رہو گے لیکن
 یہ ایک لمحہ رقم نہ ہوگا
 مجھے لکھنا تو فقط یہ لکھنا
 وہ آخری شب کا ایک مسافر
 گزرتے لمحوں پہ چلتے چلتے
 نظر سے
 اوجھل سا ہو گیا ہے
 مگر جو کچھ اور لکھنا چاہو
 تو کچھ نہ لکھنا
 فقط یہ لکھنا

میں کیسے لکھوں
 جو وقتِ رخصت
 کسی کی آنکھوں سے پڑھ لیا تھا

تم سے اتنا ہی صرف کہنا تھا

اس سے پہلے کہ لفظ کھوجائیں

ستارے قسمت کے

سارے سو جائیں

اس بھرے شہر کے اندر

ہم بھی تم سے

مُردانہ ہو جائیں

دل میں کوئی خیال ہونہ کل

لب پہ کوئی سوال ہونہ کل

اس سے پہلے

کہ وقت کھوجائے

تو کسی اور کانہ ہو جائے

چلو پھر آج تم سے کہہ ڈالوں

وہ سبھی دل کی اُن کہی باتیں

سن کے بھی ہیں جو اُن سُنی باتیں

تم سے اتنا ہی صرف کہنا تھا

مجھ کو تم سے

بہت محبت ہے

خیالِ ماضی

اکثر سوچتا ہوں میں
تیرے ہونٹوں کی وہ باتیں
تیری وہ
دل نشیں آنکھیں
سارے تیرے پیار کے لمحے
تیری آہٹ تیری یادیں
میں اکثر سوچتا ہوں کہ
یہ پل کیسے پناؤں گا
کسے اپنا ہناؤں گا
تمہیں کیسے بھلاؤں گا



سفر اچھے تو ہوتے ہیں مگر اک ہم سفر بھی ہو
کبھی جب لوٹ کر آؤ مناسب ایک گھر بھی ہو
گزر جاتے ہیں موسم بھی دلِ ناشاد کے ہنس کر
مگر یہ ضبط رکھنے میں کوئی یوں باہنر بھی ہو
یہ جیون مثل طائر ہے ضروری تو نہیں اس میں
جہاں بچپن بتایا ہے وہاں جیون بسر بھی ہو

در اُمید پہ دستک گورا ہے مگر الفاظ
میری دردِ زباں ہوں جب دُعا میں کچھ اثر بھی ہو

تجھے دُشِ بیاباں سے عداوت تھی صبا ورنہ
بہت سوچا میرے گھر سے کبھی تیرا گزر بھی ہو

پیامِ مرگِ خواہش ہے مقامِ جادوانِ عشق
ضروری ہے شبِ جہراں یہاں تیری سحر بھی ہو

عقیل اُس نخلِ خاراں سے تراشُو آبِ گلاب نو
سنگِ اُمید کی ہستی خیالوں کا نگر بھی ہو



اُداس لمحوں کے سلسلے تھے
خیالِ وحشت میں تم ملے تھے

تمہارے شہرِ جنوں کے شبِ بھر
ویران رستے پکارتے تھے

میں چن رہا ہوں وہ ریزہ ریزہ
جو خوابِ سارے بکھر گئے تھے

گلی کے پتھر وہ سوکھے پتے
تمہارے بارے میں پوچھتے تھے

ہجوم دُنیا میں کھو گئے ہیں
وہ میرا رستہ جو دیکھتے تھے

تمہارے میرے وہ درمیاں کچھ
طویل صدیوں کے فاصلے تھے

بہت سے لوگوں کی طرح ہم بھی
تمہاری آنکھوں پہ مر مئے تھے

انہیں تو صحرا نکل گیا ہے
گئی رُتوں میں جو قافلے تھے

عقیل گھر میں کوئی نہیں ہے
تم آدمی شب میں کہاں گئے تھے

☆

یونہی سر پہ سرتیرے شہر سے جو گزر گیا تو اُداس ہوں
یہ بھی دن مسافتِ آرزو میں اُتر گیا تو اُداس ہوں

اُسے خیر کس کا خیال تھا اُسے اک نظر سے گریز ہے
اُسے دیکھ کر سر رہ گزر میں ٹھہر گیا تو اُداس ہوں

یہی سال نو کی اذیتیں تمہیں کیا بتاؤں کہ کیا ہوئیں
تھے جو آشنا اُنہی دوستوں سے بچھڑ گیا تو اُداس ہوں

میں چلا تھا راحتیں ڈھونڈنے کبھی خوشبوؤں کی تلاش تھی
کسی ریگزار کے شہر میں یوں بکھر گیا تو اُداس ہوں

یوں ہی بے وجہ سے خیال ہیں کبھی اُبھنیں کبھی دشتیں
مجھے کیا ہوا بڑی دیر سے جو میں گھر گیا تو اُداس ہوں

اک داستاں تھی گزر گئی کوئی شخص تھا میری داستاں
ابھی دن گئے یہ ملی خبر وہی مر گیا تو اُداس ہوں

کوئی یاد آیا تو اب عقیل وہ صدائیں پھر سے سنائی دیں
اک سال گزرا ہے اس طرح میں سنور گیا تو اُداس ہوں

میں نے تم سے پھر نہیں ملنا

وقتِ رخصت اُس نے کہا تھا

میرا ہر پل ساتھ بھانا

دیکھو مجھ کو بھول نہ جانا

میں نے تم کو آزمایا تھا

اب تم خود کو نہ آزمانا

جیسے بھی حالات ہوں لیکن

جینا تو لازم ہوتا ہے

میں نے تم سے یہ کہنا تھا

جینا ہے

بس بھول نہ جانا

جس کو چاہت ہم کہتے ہیں

اس کا اتنا سا ہے فسانہ

پہلے ہم تنہا رہتے تھے

اور یہ ملنے کا تھا بہانا

لا حاصل یہ سفر تھا جس میں

منزل کا کچھ پاس نہیں تھا
 کوئی دکھ بھی ساتھ نہیں تھا
 لیکن ایسا بھی ہوتا ہے
 قسمت کا یہ بھی لکھا تھا
 ظالم اس سنسار میں آخر
 ہم نے تم کو بھی کھوٹا تھا
 جیسے ہم تنہا تھے پہلے
 ویسے پھر تنہا رہنا تھا
 دیکھو کیسا وقت ہے آیا
 جس کے ہر پل پاس رہا ہوں
 لمحہ لمحہ ساتھ رہا ہوں
 آج یہ اُس سے بھی کہنا تھا
 میں نے تم سے
 پھر نہیں ملنا

دستک

آج پھر کتنی اُداسی تھی کسی شام کے بعد
 آج پھر شب کے سناٹوں میں
 ویراں رستوں پر
 پھر کوئی یاد جو آئی
 تو یوں رفتہ رفتہ
 بہہ گئے آنکھ سے آنسو بھی نجانے کتنے
 اُنہی یادوں کے تعاقب میں
 یوں چلتے چلتے
 میں کسی زیت کے موسم میں ملا ہوں اُس سے
 رُک گئے راہ میں وہ بیتے ہوئے لمحے شاید
 لوٹ کر آگئے چاہت کے خزاں سالوں میں
 وہ تیری سوچ کے عذاب دو بارہ شاید
 دل کے خستہ سے مکانوں میں

کسی نے آ کر
مدتوں بعد بڑی دیر
یوں دستک دی ہے

احسابِ زندگی

بارشوں کے موسم میں
خزاں کی سرد راتوں میں
بھگی بھگی مٹی کی
ہلکی ہلکی خوشبو میں
کافدوں کے مانند پھر
پاؤں کے تلے آ کر
چکے جانے والے سب
گیلے بکھرے پتوں میں
وقت کے سراہوں میں
زیست کے نصیبوں میں
بیٹے سارے لمحوں کی
اُن سبھی کتابوں میں
اُن لکھی کہانی کی
اُن لکھے فسانوں میں

مٹنے والے صفحوں میں
 اِن ادھورے لفظوں میں
 اِس اُداس جیون کی
 احتساب زندگی کے
 اُلجھے سب سوالوں میں
 زندگی کی ڈائری میں
 اُس کے نام سے لکھے
 وقت کے حوالوں میں
 جانے کن خیالوں میں
 شہر کی اُداسی میں
 رات بھر سناٹوں میں
 اُس سے بچھڑے رستوں پر
 آرزو لیے اُس کی
 دِل کا سفر جاری ہے

☆

خطوں میں لکھے ہوئے فسانے گئی رُتوں کا پیام دیں گے
 تمہیں یہ گزرے ہوئے زمانے گئی رُتوں کا پیام دیں گے
 بدلتے موسم صدائیں دے کر گزر گئے جب نظر اٹھانا
 وہ پہلی چڑیوں کے آشیانے گئی رُتوں کا پیام دیں گے
 جہاں جہاں سے یہ قافلہ اک گزر کے آیا رفاقتوں کا
 اُجاڑ رستے وہ سب ٹھکانے گئی رُتوں کا پیام دیں گے
 یقین ہے مجھ کو ایک دِن تو اُداس پیڑوں کے سلسلوں پر
 وہ نام لکھے ہوئے پُرانے گئی رُتوں کا پیام دیں گے
 کوئی گلی ہو کسی کا در ہو عقیل و حشمت ملے گی تم کو
 ہماری ہستی کے سب گھرانے گئی رُتوں کا پیام دیں گے



یہ ستاروں کے درمیاں ہم نے
کس طرح کے حصار دیکھے ہیں

نقش اُبھرے ہیں چاند کے اُدے
بادلوں میں نکھار دیکھے ہیں

اُس کی آنکھوں میں زرد موسم کے
کچھ گزشتہ خمار دیکھے ہیں

نہ دیا ہے نہ دھوپ نہ جگنو
غم شکستہ مزار دیکھے ہیں

خستہ پیڑوں کی نرم شاخوں پر
مست جھونکوں کے وار دیکھے ہیں

منزلوں پہ بھی منزلیں مقصود
راستوں کے شمار دیکھے ہیں

خالی خالی مکان کے در پر
سال بھر کے غبار دیکھے ہیں

در و دیوار اجنبی جیسے
آئینے راز دار دیکھے ہیں

کیسا لوگوں سے اب گلہ اور پھر
لوگ کب غم گسار دیکھے ہیں

کب ٹلی ہے بلا میرے سر سے
دن کڑے بھی گزار دیکھے ہیں



محبتوں میں عداوتوں کا شمار رکھنا یہ اُس نے لکھا
کوئی بھی رُت ہو اے رخصتِ جاں قرار رکھنا یہ اُس نے لکھا

پس حقیقت گزشتہ سارے وہ خواب کیسے ملیں گے تم کو
نظر میں پہلی محبتوں کا خمار رکھنا یہ اُس نے لکھا

تمہیں میسر نہ آ سکے جب گلاب موسم کی حکم رانی
اُداس پیڑوں کے خستہ پتوں سے پیار رکھنا یہ اُس نے لکھا

میں ایک خوشبو ہوں دسترس میں تمہارے آؤں تو کس طرح سے
خیال ہوں تو مجھے بھی دل سے اُتار رکھنا یہ اُس نے لکھا

میں اس لیے اُس کے راستوں میں نظر جھکائے کھڑا ہوا ہوں
وفا تمہاری ہے قرض مجھ پر اُدھار رکھنا یہ اُس نے لکھا

چلو جوانی تو اور شے تھی جہاں سے ہم تم گزر چکے ہیں
یہاں سے اپنی طبیعتوں میں سدھار رکھنا یہ اُس نے لکھا



دن کو نکلا تھا شام گھر جاتا
وہ ستارا کیوں در بہ در جاتا

جانے والے کو یہ مناسب تھا
وقتِ رخصت ہی بے خبر جاتا

وہ مسافر کسی دورا ہے پر
وقت آتے ہی پھر پھڑ پھڑ جاتا

جس طرح ڈھوپ ڈھل سی جاتی ہے
در و دیوار سے اُتر جاتا

کسی سوکھے سے پھول کی مانند
ان ہی رستوں میں پھر بکھر جاتا

جس طرح گرد راستوں کی ہو
جانے اس طرح پھر کدھر جاتا

کب تک ضد میں ہم پڑے رہتے
وہ نہ رکتا تو میں ٹھہر جاتا

مانا کچھ تلخ جدائیاں ہوتیں
وقت رفتہ سے پھر گزر جاتا

یہ اسکی قسمت

ٹھٹھرتی سردی کی ایک شب میں

وہ اپنی چادر کی چھت بنائے

بوسیدہ کپڑوں کی پتلی تہہ سے

وہ کانپتے جسم کو چھپائے

سمٹ کے بیٹھی تھی خود سے لگ کر

کسی کی بیٹی

کسی کی ممتا

شہر کی دیران اک گلی میں

اکیلی تنہا سمٹ کے بیٹھی

کیوں سر جھونکوں کے آبِ تپشروں کو جھیلی ہے

وہ کس سزا میں یوں جا گئی ہے

مجھے بتاؤ

میں کب سے بیٹھایہ سوچتا ہوں

وہ بھی تو عورت ہے اور عورت

کیا جائیدادوں کی حصہ داری سے کرٹ گئی تو

جہاں بھی جائے جدھر بھی بیٹھے
یہ اس کی قسمت

محبت مٹ گئی میری

تمہیں کیسے بتاؤں کہ
محبت مٹ گئی میری
وہ سارے قافلے دل سے
گزر کر ہو گئے مٹی
مٹا ڈالے وہ نقشِ پا ہواؤں نے سبھی آخر
چلو یہ آرزو تھک کر کہیں پر توڑی آخر
مگر پھر بھی کئی یادیں ہیں
جو اب تک بھٹکتی ہیں
سنا ہے تئلیاں اب بھی تمہارا ذکر کرتی ہیں
مگر صرف فرق اتنا ہے
جہاں تم تھے کسی رُت میں
وہاں اب تم نہیں ہوتے
تمہاری راہ میں لیکن کہیں بھی ہم نہیں ہوتے
تو ہے گرا جنہی تو پھر
تمہارا کیا بھر و سا تھا

نہیں ہے تو تیرا پھر کس لیے ہم تذکرہ رکھتے
 تمہارے واسطے گھر اپنا کیونکر پھر کھلا رکھتے
 ہزاروں راستے ایسے
 جو باہم ہوں نہیں سکتے
 کچھ ایسے حادثے ہیں جو کبھی کم ہوں نہیں سکتے
 کسی کو چھوڑ دینے سے کوئی مروت نہیں جاتا
 کسی کو چھوڑ دینے سے مگر کچھ غم تو ہوتا ہے
 تو نے برسوں کے بعد آ کر
 ابھی جو مجھ سے پوچھا ہے
 صدائیں جو بھی تھیں دل میں
 میں نے اُن کو دبا ڈالا
 تمہیں دل سے بھلا ڈالا

تحریریں

بہت سادہ سے کاغذ پر
 بہت سادہ سی تحریریں
 کبھی تیرا نام لکھ دینا
 کوئی پیغام لکھ دینا
 کوئی پیغام لکھ کر پھر
 اُسی کو چومتے رہنا
 اُسے پھر چوم کر یوں ہی
 ذرا سا خون لے کر پھر
 کسی کو نے لگا دینا
 کبھی خوشبو لگا دینا
 کبھی روتے ہوئے لکھنا
 انہی بے چین آنکھوں سے
 اُسی کاغذ کی اک جانب
 کبھی آنسو گرانا
 کسی پھر قلم کو لے کر

انہی اشکوں کی اک جانب
 کوئی چہرہ بنا دینا
 وہی آنکھیں بنا دینا
 کبھی اُن زیت کے لمحوں کے
 اک اک وقت کو لکھنا
 کبھی تاریخ لکھ دینا
 کبھی لکھ کر مٹا دینا
 کبھی سو کھے سے تپوں کو
 بھی کاغذ پر لگا دینا
 ذرا ذرا سی باتوں پہ
 کئی قصے بنا دینا
 اشاروں سے وہ کچھ لکھنا
 اشاروں سے وہ کچھ کہنا
 کبھی سب کچھ چھپا لینا
 کبھی سب کچھ بتا دینا
 پھر آخر فیصلہ کرنا
 ذرا سا حوصلہ کرنا

وہ کاغذ پھاڑ دینا
 یا اُسی سادہ سے کاغذ کو
 کبھی پڑھ کر جلا دینا

قیمت

دیکھتے ہیں
 کیا قیمت لگائی ہے تمہاری
 ظالم ان دُنیا داروں نے
 جذبوں کے ان خریداروں نے
 بس صرف
 حسن کے پرستاروں نے
 تیرے سچے حسن کے بدلے
 اپنی میلی دولت دے کر
 رستے والے ہٹوروں نے
 قصرِ خاک کے مزدوروں نے
 تھوڑی سی کچھ
 ریت کے بدلے
 تاج محل کو پالینے کی
 کیا ترکیب نکالی ہے اب
 کس طرح سے گرد نے اُڑ کر

چاند کو میلا کر دینے کا
 اب کے پکا عہد کیا ہے
 دیکھتے ہیں کانغذ کے کلڑے
 تانبے چاندی کے چند سکے
 لالچ کی میزان کے اوپر
 دولت کے ایمان کے اوپر
 اس گویہ اُمول کو آخر
 حرص وہوس کے اس پلڑے سے
 کس طرح مٹی کرتے ہیں

پنجاب کالج کی بس

پنجاب کالج کی ایک بس میں
 وہ سامنے والی کھڑکیوں سے
 کوئی حینہ تھی جھانکتی تھی
 عجیب صورت سی اک بنا کے
 وہ رخ سے زلفیں ذرا ہٹا کے
 وہ اپنی آنکھیں بھی کچھ چپا کے
 نظر ملا کر گزرتی جاتی
 پنجاب کالج کی بس میں وہ بھی
 شہر کی سڑکوں میں ایک دم سے
 کہیں اچانک سے کھوسی جاتی
 یہ روز شب کا ہی سلسلہ تھا
 عجیب سا اک جنون جیسے
 کہ عشق کا ہو
 کسی نے روح میں اُتر کے جیسے
 کوئی سحر مجھ پہ کر دیا ہو

میں اُس کے رستوں میں رُک سا جاتا
 بہانے کر کے عجیب سے کچھ
 کبھی تو لوگوں سے بات کر کے
 میں چلتا بھی تو ٹھہر ٹھہر کے
 میں راستے نکلتا تھا وہ شہر کے
 جہاں آتی تھی بس گزر کے
 کبھی تو بس کو بھی رُکنا پڑتا
 کبھی جو سڑکوں پہ بھٹے ہوتی
 تو کچے رستوں پہ مڑنا پڑتا
 سہم سہم کر گزرتا پڑتا
 تو بس کے ٹائریز کی اس رگڑ سے
 زمیں سے گرد و غبار ساری
 وہ دھند کی مانند جو بادلوں سی
 ہوا میں اڑتی تو بس کی کھڑکی
 وہ اپنے ہاتھوں سے بند کرتی
 تو ایسا لگتا
 کہ چاند جیسے کہ بادلوں میں اتر گیا ہو

کہیں سے جھونکا گزر گیا ہو
 ادائیں اس کی عجیب تر تھیں
 وہ لڑکی خود میں بھی معتبر تھی
 بہت ہی سادہ تھی وہ مڈر تھی
 وہ میری حالت سے باخبر تھی
 کبھی جوڑکتی وہ بس کہیں پر
 تو اس کے تیور میں فرق پڑتے
 کبھی جوڑ پڑتی تو لکھنے لگتی
 کہیں پہ لکھتی تو پڑھنے لگتی
 کتابیں اپنی دکھا کے مجھ کو
 توجہ مجھ سے ہٹانے لگتی
 وہ جان جیسے چھڑانے لگتی
 ذرا سا غصہ دیکھانے لگتی
 میں رکتے رکتے بھی چلنے لگتا
 نگاہیں اپنی بدلنے لگتا
 میں دل ہی دل میں تو جلتے لگتا
 تو بھانپ لیتی وہ میری حالت

عجیب تر تھی یہ اس کی عادت
 وہ اپنی نظروں کو پھراٹھاتی
 خاموش لہجے میں مسکراتی
 مجھے وہ تھوڑا سا آزماتی
 عجیب صورت سی اک بنا کے
 وہ رخ سے زلفیں ذرا ہٹا کے
 وہ اپنی آنکھیں بھی کچھ چھپا کے
 نظر ملا کر گزرتی جاتی
 پنجاب کالج کی بس میں وہ بھی
 شہر کی سڑکوں میں ایک دم سے
 کہیں اچانک سے
 کھوئی جاتی



اُسے گنوا کر تلاش کرنا عجیب عادت بنا رکھی ہے
سراب رستوں پہ ایسے چلنا عجیب عادت بنا رکھی ہے

گزشتہ لوگوں کا ذکر لے کر کہیں خیالوں میں لفظ چننا
اُداس لحوں میں رنگ بھرنا عجیب عادت بنا رکھی ہے

یہ آسمرے کچھ بنا کے رکھنا ذرا ذرا سی رفاقتوں کے
گماں کی ڈوری سے خواب بھنا عجیب عادت بنا رکھی ہے

کتابیں لکھنا محبتوں کی کسی کو لکھنا چھپا چھپا کے
کوئی جو پوچھے تو پھر مکرنا عجیب عادت بنا رکھی ہے

یہ کیا ہوا کہ پچھڑ کے اُس سے میں اب کے خود سے خفا خفا ہوں
کوئی بھی رُت ہو اُداس پھرنا عجیب عادت بنا رکھی ہے

کسی کو پہلی ہی فرصتوں میں طویل چاہت کی آرزو تھی
مگر کسی نے خفا سا ملنا عجیب عادت بنا رکھی ہے

شکستہ پتوں کے گھر بنانا مٹانا پیڑوں سے نام جا کر
گلاب پیروں تلے مسلنا عجیب عادت بنا رکھی ہے

میں اپنے حصے کی روشنی ہوں نشان ہوں اپنی منزلوں کا
یہ کون سمجھے کہ میں نے جلنا عجیب عادت بنا رکھی ہے



اُداسیوں کے سفر پہ نکلے تو گردِ راہ ہی اُٹھا کے لائے
ہم اہلِ دل بھی وفا کی چاہ میں یہ کیسی حالت بنا کے لائے

جہاں پہ زندگی شکستہ لمحوں کے آسروں پر کھڑی ہوئی ہے
ہم اپنی آنکھوں کو وحشتوں کے وہ سلسلے بھی دکھا کے لائے

تمہارے لہجے کی کپکپاہٹ تمہاری نظروں کے چند سہارے
کہیں کہیں سے تو خواب جاں کو تیرے وسیلے بچا کے لائے

یہی صلہ ہے محبتوں کا کہ تذکرے میں رفاقتوں کے
یہ لوگ بدلے میں کاغذوں پر میرا نشان تک مٹا کے لائے

تم روز مجھ سے یہ پوچھتے تھے کہ شاعری کا ہے یہ سبب کیا
تمہیں بتاؤں یہ ساری غزلیں بہت سی دولت گنوا کے لائے

نکل پڑے تھے تو جیسے رُک کر زمانہ سارا یہ دیکھتا تھا
کہیں سے پلٹے تو آنکھ نم تھی کسی کا غم تھا چھپا کے لائے



گر یہ رشتہ نبھا نہیں سکتے
قافلے دُور جا نہیں سکتے

بس یہ غم ہے کہ دامنِ دل سے
داغ کتنے دکھا نہیں سکتے

بات کہنے کے سو طریقے ہیں
دل کسی کا دکھا نہیں سکتے

خواب حسرتِ ملال پچھتاوے
ہم یہ ملبہ اُٹھا نہیں سکتے

پڑھ کے روتے ہیں رات بھر اکثر
خط بھی تیرا جلا نہیں سکتے

تم کسے ڈھونڈتے ہو راہوں میں
وہ مسافر تو آ نہیں سکتے

اب اُسے بھولنا ضروری ہے
نقش جس کے مٹا نہیں سکتے

کب کہا ہے کہ ساتھ دو میرا
تم نظر تک ملا نہیں سکتے

اب تو محو تماشا ہیں ہم بھی
آگ جب سے بجھا نہیں سکتے



پچھڑے ہوئے لوگوں کا ماتم نہ کیا کر
دستورِ زمانہ ہے تو اب چپ ہی رہا کر

تم اپنی طبیعت سے اُٹھاؤ گے زیاں بھی
اس شہر کے لوگوں سے زیادہ نہ ملا کر

پیڑوں پہ لکھے حرف پڑھا کر نہ سرِ راہ
اُنکی سے نہ ساحل پہ کوئی نام لکھا کر

یہ سال جو گزرا ہے اسے آخری ساعت
رویہ ہوں بہت آج کی شبِ دل سے لگا کر

اس شورِ زمانہ سے کہیں دُور بہت دُور
رہتی ہے جو اکِ دل میں صدا وہ بھی سنا کر

پڑھ لے نہ کوئی تیرا فسانہ بھی کہیں سے
چہرے سے کہانی کے یہ اوراق ہٹا کر

آب کے یہ دُعا ہے کہ میرے پالنے والے
اس دور مصیبت میں ذرا صبر عطا کر



ہم مسافر ہیں بھری شب میں کدھر جائیں گے
شام ہوتے ہی کسی راہ پہ ٹھہر جائیں گے

کس کو معلوم ہے انجام سفر کا مطلب
بس کسی روز مسافت میں ہی مر جائیں گے

آب کے درویش تیرے در پہ صدائیں دے کر
بس ذرا دیر ہی ٹھہریں گے گزر جائیں گے

خوشبو رہ جائے گی ہستی میں نشاں یہ اوراق
اور سبھی حرف کہانی کے بکھر جائیں گے

تم کسی چاند کی دلیلیں پہ رکھ لینا قدم
ہم کسی شام اندھیروں میں اُڑ جائیں گے

بس یہی رات گزاریں گے تیری ہستی میں
دلجو جو نکلے گا تو پھر جانے کدھر جائیں گے



بڑی بے سبب ہے یہ زندگی کہیں دن ہوا کہیں شب ڈھلی
مجھے کیا خبر مجھے کیا پتا ہے یہ کیا سفر یوں گلی گلی

یونہی بے وجہ سی مسافتیں کبھی منزلیں کبھی راستے
وہ سراب سارے خیال سے وہی اُبھنیں وہی بے بسی

تمہیں یاد ہے وہ طویل شب جو گزر گئی تھی وصال میں
تھی وہ سردیوں کی سرد رُت اور آگ دل میں لگی ہوئی

میں بھلا یہ کیسے کہوں اُسے میرا ساتھ دے میرے ساتھ چل
ہے وہ آشنا سے نا آشنا اک میں کہ خود سے بھی اجنبی

میرا ہم سفر ہے ستارا اک میں جہاں گیا میں جدھر گیا
ہر وقت یونہی گزر گیا میرے سگ ہے یادوں کی چاندنی

وہ ملا تو لفظوں کے درمیاں کوئی داستاں تھی چھپی ہوئی
وہ گیا تو پھر وہی سلسلے وہی دردِ جاں وہی اُن کہی

ہیں روایتیں بھی عجیب تر اِس شہر میں پہچان کی
کوئی ساتھ ہے تو قدر نہیں جو پھڑ گیا تو خبر ملی

مجھے اک بات کہنی ہے

ذرا سی دیر تو تھہرو
مجھے اک بات کہنی ہے
تمہیں معلوم تو ہوگا
تمہارے کرد لوگوں نے
تمہیں اکثر کہا ہوگا
میری طرح زمانے سے
تو نے شاید سنا ہوگا
آتے جاتے ہوئے کوئی
میری طرح ملا ہوگا
کہیں کچھ تو لکھا ہوگا
کوئی چہرہ پڑھا ہوگا
یہ ممکن ہے کوئی تم کو
نہ مجھ سا جانتا ہوگا
یہ جذبہ بس میرے دل میں
تیری خاطر بسا ہوگا

مگر یقین ہے مجھ کو
نجانے کیوں یہ لگتا ہے
شہر بھر میں ہر اک جگہ
تیرا ہی تذکرہ ہوگا
مجھے کچھ بھی نہیں کہنا
فقط اتنا ہی کہنا ہے
قسم لے لو تیری آنکھیں
بڑی ہی خوبصورت ہیں

خواب نکر

کہیں پہ دور جنگل تھا
 بڑا ہی دل نشیں جنگل
 وہاں جنگل میں چھوٹی سی کوئی
 چاؤ کی گھری تھی
 جہاں پر یاں سنہری پر لے
 رنگین پیراہن
 گلوں کے درمیاں پھرتیں
 کبھی بادل اُتر آتے
 تو اُن پہ رقص بھی کرتیں
 ہزاروں تلیاں اُڑ کر
 اُنہی کے ساتھ ہی چلتیں
 وہاں سورج سنہری تھا
 کہ جس کی دھوپ سے کوئی بھی چیز ہو
 سونا نظر آتی
 وہاں سے امن کی

اور پیار کی ہی بس خبر آتی
 ہوا صندل کے پھڑوں کی لیے خوشبو
 مہکتی اور سبز کرتی
 تو اُس کی دوش پر اُڑ کر پرندے
 گیت گاتے
 وہاں موجود بیڑوں پہ آ جاتے
 مگر اک دن
 خزاں رُت بھی اُسی جنگل میں آنکلی
 وہاں پہ ناچتی پر یوں کو اُس نے
 قید میں رکھ کر
 گلوں کو بھی مسل ڈالا
 ہوا سے چھین کر خوشبو وہاں وحشت ملا ڈالی
 گلوں کے سُرخ پیراہن اُتارے
 اُنہیں کالے لباسوں میں
 جکڑ ڈالا
 سنہری دھوپ کو اُس نے
 اندھیروں میں بدل ڈالا

وہی نگری کبھی جو امن کا پیغام دیتی تھی
صدائیں چاہتوں کی جو
صبح سے شام دیتی تھی
وہاں کانٹے پھینٹتے ہیں
سنائے اپنے بچوں میں سبھی کو قید رکھتے ہیں
وہاں خوشبو نہیں ہوتی وہاں پریاں نہیں ہوتیں

موبائل میج

کوئی تو تھا وہ
جورات کے آخری پلوں میں
نرم سے ہاتھوں سے لفظ لکھ کر
ہوا کی پریوں کے ریشمی سے
سنہری بالوں کی خوشبو لے کر
پروں پہ اُن کے جو کھتی تھی وہ
وہ لفظ کیا تھے
وہ لفظ کب تھے
کسی کے جذبات کا سفر تھا
وہ اُسکے خوابوں کا لمس تھا جو
مجھے شبوں کی تاریکیوں میں
حسین یادوں کی چاندنی لے کر
کھڑکیوں سے سہم سہم کر
بڑی خاموشی سے رفتہ رفتہ
دبے دبے سے جو پاؤں چل کر

جسم سے کیا زوج سے بھی گزر کر
 ہوا کی پریوں سے پھر اتر کر
 یہ میرے کمرے میں کون آتا
 سکوت شب کا حصار توڑے
 کسی کے خوابوں کی
 روشنی اور میرے موبائل پہ
 ایک میچ

تمہیں جانا ہی تھا آخر

تمہاری شادی کے اُس دن
 کہ جب تم سُرخ جوڑا پہن کر
 گھر سے نکلی تھی
 تیرے ہاتھوں پہ مہندی سے
 لکھا تھا نام اوروں کا
 تیری آنکھوں میں کا جل تھا
 کہ سر پہ سُرخ آئینل تھا
 کوئی نکلن بھی تھا تیرے ہاتھ میں
 کتنا دملتا تھا
 کہ تو اک چاند تھا جو چودھویں کی شب
 چمکتا تھا
 چراغاں تھا تیرے گھر میں کہ جیسے آگے جانو
 ہوا میں رقص کرتی پھر رہی تھی
 دل نشیں خوشبو

تو چلتی تو تیرے پاؤں تلے آ کر
 کئی چٹیاں مہکتیں اور تر و تازہ سی ہو جاتیں
 کہیں سے تتلیاں اُڑ کر
 تیری بانہوں میں سو جاتیں
 ہوا چلتی تیرے سر سے کبھی آنچل اُڑا دیتی
 کہ شہنائی آوازیں کئی نغمے جگا دیتیں
 مگر تم نے تو جانا تھا
 تمہیں جانا پڑا آخر
 تو نے جاتے ہوئے مجھ کو
 ذرا سی دیر دیکھا تھا
 نبھانے کیا میرے بارے میں
 تو نے رُک کے سوچا تھا
 کہا جو کچھ مجھے تو نے میں نے کچھ کچھ تو سمجھا تھا
 میں کب تک اک مسافر کا تماشا دیکھتا رہتا
 لٹا جو دل تو کیوں یہ قافلہ میں دیکھتا رہتا
 گماں کی ڈوریوں سے جو
 میں نے لمحات باندھے تھے

میری ان جاگتی آنکھوں نے
 جو بھی خواب دیکھے تھے
 کبھی کچھ سوئپ کر اُس کو
 میں تنہا آگیا گھر میں

بہت ہی معتبر ہوں میں

بہت ہی معتبر ہوں میں

بہت مانوس ہیں مجھ سے

پرندے اُس کی نگری کے

مجھے تنہا نہیں کرتے

یہ جگنوں اُس کی ہستی کے

ہوائیں پاس سے جاتے ہوئے

اُس کا بتاتی ہیں

کہ خوشبوراہ میں رُک کر

صرف اُس کے تقدس میں

بڑی ہی استرا اما جھک کے چلتی ہے

بہاریں میرے رستوں میں

کبھی ٹھہرا نہیں کرتیں

خزاں رُت میرے پاؤں کے تلے آ کر

بچھا دیتی ہے اک چادر

شکستہ ذرہ پتوں کی

گزر رہے جارہے لمحے مجھے بدلائیں کرتے

میری آنکھوں سے اُب کے خواب بھی

الچھا نہیں سکتے

چلے جاتے ہیں خاموشی سے اُب

نظریں جھکا کے ہم

کسی کو آنکھ بھر کے بھی کبھی دیکھا نہیں کرتے

اُسے سوچا تو کرتے ہیں

اُسے مانگا نہیں کرتے

اُسے مانگا تو کیا ہوگا

اُسے چاہا تو ہے لیکن

اُسے کھویا کیا ہوگا

بہت ہی سوچتا ہوں میں

سکوت شب میں تنہائی مجھے آ کر بتاتی ہے

تمہیں اُس کی خوانہش نے بڑا اُٹھول کر ڈالا

وہ مل جاتا تو کیا ہوتا

چلو جانے بھی دو

جو پاس ہے رنج سفر جانو

کہ صدیوں چلتے چلتے بھی یہاں سے کچھ نہ کم ہوگا
یہ جذبہ ایسا جذبہ ہے
جو دُھندلائی نہیں سکتا



اے میرے دل یہ بے بسی کیا ہے
وہ نہیں اب تو زندگی کیا ہے
شور رہتا ہے بستیوں میں یہاں
پھر میرے گھر میں خامشی کیا ہے
جس کے پہلو میں لکھ دیے اوراق
کون سمجھے وہ اُن کہی کیا ہے
چھین لیتا ہے مجھ سے جاں میری
کیا بتاؤں وہ اجنبی کیا ہے
تو ہے دریا تو تیرے ساحل پر
یہ بتا دے کہ پیاس سی کیا ہے

یہ دُھواں کیوں ہے بستی جاں میں
آگ گھر میں ابھی لگی کیا ہے

اپنے خوابوں کو کر لیا زنجی
اور زندگی تو چاہتی کیا ہے

سوچتا ہوں میں بیٹھ کے اکثر
تم سے آخر یہ دوستی کیا ہے

یہ درختوں کے درمیاں شب میں
وہ کہیں دُور روشنی کیا ہے

وقت گزرا تو اُن رتوں کی عقل
مجھ میں خوشبو سی آ بسی کیا ہے



چلو یہ قسمت ہی آزمائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے
کہیں تو وعدہ وفا نبھائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

گزشتہ سارے وہ خواب نامے جو اب بوسیدہ سے رہ گئے ہیں
جو نقشِ دل تھے وہ اب مٹائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

ٹھہر گیا ہے یہ کیسا موسم کہیں پہ صحرا کہیں پہ سادوں
سُراغِ منزل کہیں تو پائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

چلیں تو ایسے کہ عمر بھر ہم نشان پائیں نہ منزلوں کا
کہیں پہ منزل سے لوٹ آئیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

بھٹکتی موجوں کے راستے میں کھڑے رہیں التجا کی خاطر
چلو کہ پھر سے وہ گھر بنائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

اُٹا رڈالیں وہ ذرد رُت کے وہ جسم و جاں کے سحر چلو اُب
اُداس رہ کے بھی مُسکرائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

مڑہ تو تب ہے اے خواہشِ دل تیری طلب میں ستارہ بن کر
تاریک راتوں میں جگمگائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

کسے خبر ہے کسے بتائیں سنائیں کس کو یہ داستاں ہم
یہ اک خلش ہے کہاں چھپائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے

ابھی تو پہلی تھکن ہے باقی عقل پاؤں میں زخم ہیں کچھ
یہ بوجھ پھر سے چلو اٹھائیں اُسی کو چاہیں جو مختلف ہے



شام ہوتی ہے تو پھر دن پہ نظر رکھتے ہیں
ہم پرندے تو یہی رخت سفر رکھتے ہیں

اپنی فطرت میں نہیں کوئی وراثت جس میں
لوگ صدیوں سے چلے آتے ہیں گھر رکھتے ہیں

کس جگہ پر ہے ہمیں اب کے میسر روزی
دن نکلتا ہے تو پھر اس کی خبر رکھتے ہیں

ایک جھونکے سے جو کانپ اُٹھے کسی شاخ کے ساتھ
گھونسلے ایسے بنانے کا ہنر رکھتے ہیں

ہم تو ہیں دھبِ بیاباں کے ستارے طائر
دھوپ ملتی ہے جہاں خود کو اُدھر رکھتے ہیں



یہاں کس نے پانی میں منزلیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا
بڑی مختصر سی ہیں چاہتیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا

ذرا دیکھ تو اس شہر میں ہر شخص ہے کسی قرب میں
ہیں کسے میسر راحتیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا

جسے ڈھونڈتا ہے تو جا بجا وہ تو اک فسانہ سا رہ گئیں
وہ گئے دنوں کی حکایتیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا

تو نظر ہٹا لے بہار سے کہ وصال کے بھی خیال سے
ذرا سوچ بھر کی ساعتیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا

کیوں بھٹک رہا ہے تو کوہِ یاس کی وادیوں میں کہ ہم سفر
ذرا سن یہ کیسی ہیں آہٹیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا

مجھے کیا ہوا نہ دُعا رہی نہ عبادتوں میں خلوص بھی
ہے کہاں وہ پہلی سی رحمتیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا

جو پھنچر گیا سو پھنچر گیا یہ اُصولِ سفر حیات ہے
تمہیں کس سے اب ہیں شکایتیں کیوں اُداس ہے میرے دل بتا



دل کو تمہارے نام سے وحشت سی ہو گئی
حرفِ وفا سے آج کیوں نفرت سی ہو گئی

اک عمر اس مسافت میں طے کی تو یہ ملا
اب گھر سے دُور رہنا عادت سی ہو گئی

رستہ بدل گئے وہ پہنچھی تو اب مجھے
سوکھے اُداس پیڑوں سے چاہت سی ہو گئی

تیری طلب میں تھا تو جینا محال تھا
تم کو جو کھو دیا تو راحت سی ہو گئی

اک شخص کیا گیا کہ موسم ہی ختم گئے
جیسے اُداس رہنا قسمت سی ہو گئی

دل اب کسی خیال کی وحشت سے ڈر گیا
یا ختم میری سانس کی مہلت سی ہو گئی



چپ چاپ تیری راہ سے گزر جاؤں تو کیا ہو
خوشبو کی طرح میں جو بکھر جاؤں تو کیا ہو

اب کس کو یہاں گردشِ دوراں کی خبر ہے
اک دن ہوں کسی شب میں اُتر جاؤں تو کیا ہو

شب بھر مجھے کہتے رہے گلیاں وہ درپتے
اک روز کبھی میں بھی سدھر جاؤں تو کیا ہو

بڑی دیر سے چپ بیٹھے ہوئے سوچ رہا ہوں
اے دوست اگر تم سے بچھڑ جاؤں تو کیا ہو

اُس شہر میں کیا ہے نہ وفا ہے نہ محبت
اب سوچ رہا ہوں کہ اگر جاؤں تو کیا ہو

آنکھوں میں اُتر جائیں کسی دھوپ کے منظر
اک شام کی دہلیز پہ مر جاؤں تو کیا ہو

ہم تو اپنے آپ میں گم ہیں

شہر کی پامالی پہ تم

حیراں ہونہ چشم رواں

کس کا یہ نقصاں ہو

فتنہ کیسے عام ہوا

کون یہاں بدنام ہوا

کاش تمہیں فرصت ملتی

اپنے آپ میں رہنے سے

پر مجھ کو سکون مل جائے گا

تم سے بات یہ کہنے سے

تم جو نہیں ہو اہل دل

تو میں بھی نہیں ہوں اہل دل

اسی شہر کا باسی ہوں

جس کی روایت ظلم و جبر ہے

خاموشی سے محو تماشا رہنا ہے

کچھ بھی ہو چپ رہنا ہے

یہ کون.....

کالے بھیس لیے

رات شہر میں نکلتے ہیں

خون آلود درپچوں سے

بچے ذرد لیے چہرے

کس کی راہیں نکلتے ہیں

کون گیا ہے اُس جانب

کون نہیں پلٹا واپس

ہم انساں ہیں کہ بخیم ہیں

دھرتی ماں ہے اس کی تم اولاد نہیں تو

اس کی وراثت کوئی یوں تقسیم کرے

دُکھ تو ہوگا.....

کچی فصل کے گوشوں کو گرا آگ لگے

دُکھ تو ہوگا.....

لیکن دُکھ کیوں

میں بھی اسی شہر کا باسی

تم بھی اسی شہر کے باسی
کیسی ممتا.....
کیسی وراثت.....
ہم تو اپنے آپ میں گم ہیں
پھر کس سے پوچھوں
شہر کی پامالی تم حیراں ہو
نہ چشم رواں

☆

کس لیے اُس کو پکارا ہے وجہ یاد نہیں
بوجھ اک دل سے اُتارا ہے وجہ یاد نہیں
شام سے جس کے تعاقب میں چلا لا حاصل
اب اُسی رات کا تارا ہے وجہ یاد نہیں
اب وہ اوراقِ لبِ زیت کے پڑھنے کے لئے
زخمِ اک پھر سے نکھارا ہے وجہ یاد نہیں
اُس کے آنے کا گماں ہے نہ اُمیدِ الفت
دل کو اک پھر بھی سہارا ہے وجہ یاد نہیں
سوکھے پتے ہیں اُداسی ہے وہ جگنو رستے
میں ہوں دریا ہے کنارہ ہے وجہ یاد نہیں
رات تو گزری سو جس طرح گزاری ہم نے
دل نہ کہوں رو کے گزارا ہے وجہ یاد نہیں



راستے اپنی انا کے بھی مناسب رکھتے
سلسلے ترک وفا کے بھی مناسب رکھتے

بجھ گیا دیپ تو اب سوچ رہے ہیں ہم بھی
کاش ہم رستے ہوا کے بھی مناسب رکھتے

مجھ کو الزام پہ حیرت نہ شکایت پر لوگ
یہ قوانین سزا کے بھی مناسب رکھتے

یہ تو اک حکم الہی میں سفر کرتے ہیں
کیسے الفاظ صدا کے بھی مناسب رکھتے

یہ ضروری تھا تجھے رسوا نہ کرنے کے لئے
تذکرے تیری جفا کے بھی مناسب رکھتے



صراطِ غم پہ عدو نے پوچھا میری اذیت کے سلسلے میں
نشانِ منزل میں کیسے پاؤں تری رفاقت کے سلسلے میں

کہا یہ میں نے مجھے خبر کیا مجھے تو تم سے اُمیدِ غم ہے
ذرا بتاؤ کیا دے سکو گے سوائے نفرت کے سلسلے میں

کہا یہ اُس نے کوئی تو رستہ ہو وہاں سے پلٹوں تو تجھ کو پاؤں
کوئی نہ پتھر ہو راستے میں تیری محبت کے سلسلے میں

کہا یہ میں نے ارادے پختہ اگر ہوں تو منزلیں یقین ہیں
تمہاری عادت ہے راہ بدلنا میری عداوت کے سلسلے میں

کہا یہ اُس نے یہ کیا ہوا کہ تمہارا چہرہ کیوں زرد ہے اب
میں بچ پوچھو تو بدگماں ہوں تمہاری حالت کے سلسلے میں

کہا یہ میں نے یہ زندگی بھی کہاں سکوں کا پیام لائی
مگر تمہیں کیا میں کیوں بتاؤں کسی مصیبت کے سلسلے میں

کہا یہ اُس نے مصیبتیں بھی ہیں چاہتوں کا عجیب محور
ہیاں کرو جو چھپا رہے ہو میری شکایت کے سلسلے میں

کہا یہ میں نے شکایتیں بھی گلے بھی تم سے روا نہیں ہیں
میں ہل دیتا ہوں بات ہر اک بس اپنی قسمت کے سلسلے میں

کہا یہ اُس نے میسر آؤں تمہیں اگر تو گزار دو گے
یہ ساری زندگی میرے لئے تم یہاں پہ راحت کے سلسلے میں

کہا یہ میں نے گزردی ہے تمہاری خواہش کی اس ممکن میں
مجھے تو اپنی خبر نہیں ہے تمہاری چاہت کے سلسلے میں

کہا یہ اُس نے چلو کہ تجدید پھر کریں ہم ارادہ کر لیں
چلو کہ رخصت سفر تراشیں نئی مسافت کے سلسلے میں

کہا یہ میں نے بکھر گیا ہوں مجھے سمیٹو نہ راستوں سے
میری مسافت ہے اک اُداسی کسی وراثت کے سلسلے میں

کہا یہ اُس نے وراثتیں بھی وبالِ جاں ہیں اذیتیں ہیں
یہ بانٹ ڈالو مجھے ابھی تم یہاں سخاوت کے سلسلے میں

کہا یہ میں نے میں کیسے بانٹوں جو رازِ دل میں چھپائے ہیں
تمہیں ہمیشہ بدو ہی پایا یہاں حقیقت کے سلسلے میں

اے میری انجان مسافت

شام کی مدھم تاریکی میں
 اک ویران سے رستے پر میں
 چلتے چلتے سوچ رہا تھا
 اے میری انجان مسافت
 میں نے تم سے کیا پایا ہے
 کیا پایا ہے میں نے تم سے
 کس منزل کے سمت چلا ہوں
 کس دیوار نے رستہ روکا
 کس کی خاطر
 تیز ہواؤں کے رُخ موڑے
 کس طرح سے
 وقت کی شاخ سے لمحے توڑے
 کن رستوں پر آتے جاتے
 ایک تجسس میں ٹھہرا تھا

کس کس جا پر
 تھک کر آخر میں بیٹھا تھا
 کن لہجہ میں آنکھیں میری پھرائی تھیں
 شام بھی گزری
 آدھی شب میں
 تم سے میں کچھ پوچھ رہا ہوں
 اے میری انجان مسافت
 میں نے تم سے کیا پایا ہے

محبت کون سمجھا ہے

محبت ابتدا ہوتے ہوئے بھی انتہا ہے

محبت انتہا ہوتے ہوئے بھی ابتدا ہے

محبت کون سمجھا ہے

یہ رشتہ کیسا رشتہ ہے

یہ تعلق ہے تو کیسا ہے

بظاہر ٹوٹ جانے سے مگر یہ عام سارشتہ

کبھی ٹوٹا نہیں کرتا

کسی کے رُوٹھ جانے سے

کبھی رُوٹھا نہیں کرتا

یہ کس طرح کا تعلق ہے

کسی اک اجنبی سے جو

کبھی اک بار ہو جائے

تو پھر موسم بدل جائیں

کئی صدیاں گزر جائیں

ہزاروں خواب مر جائیں یہ اک سپنا نہیں مرنے

مگر یہ خواب ہے کیسا

کہ جس کی کوئی بھی تعبیر حقیقت ہو نہیں سکتی

حقیقت ہو بھی جائے تو

یہ سپنا مر بھی جائے تو

محبت ابتدا ہوتے ہوئے بھی انتہا ہے

محبت انتہا ہوتے ہوئے بھی ابتدا ہے

محبت کون سمجھا ہے



وہ اُدھے زیست کے لفظ تھے انہیں کیا لکھو مگر یہ جان کر
بڑی ٹکھڑی ہے داستاں اسے کیا سہو مگر یہ جان کر

کچھ خواب تھے میرے ہم سفر کچھ خواہشوں کا مال تھا
میرے دل میں کس کا خیال تھا اب کیا کرو مگر یہ جان کر

وہ لُحلاب تیری یاد کے ان ہی راستوں میں بکھر گئے
سرکس مجھ کو مڑاں میں پھریں ہی کب ملو مگر یہ جان کر

اک تیرے فرق کا زہری میرے دل سے روح میں اتر گیا
میں ٹوٹ کر ہوں بکھر گیا مجھے کیا چنو مگر یہ جان کر

تمہی ناموشیوں کی وہ داستاں جسے کہہ کے لب بھی بٹے نہیں
جسے تم نے سن کے سنا نہیں پھر کیا کہو مگر یہ جان کر

تیری مسکراہٹ عذرا تمہی کبھی کچھ بھی تم سے کہا نہیں
میرا کس طرح کا نصیب ہے تم رو پڑو مگر یہ جان کر

عقیل طویل تر ہیں مسافتیں شب و روز ان کے خیال میں
مجھے منزلوں کی خبر نہیں تم کہا چلو مگر یہ جان کر